نمل (نمرہ احمد)

چودھویں قسط:

”مَن خِشت بہ ملکہ داد“

(حصہ دوم)

ابھی تو دل میں ہے جو کچھ بیان کرنا ہے
یہ بعد میں کبھی کس بات سے مکرنا ہے

دروازہ کھلا تو تاریک سا کمرہ سامنے آیا۔

فارس نے سوئچ پہ ہاتھ مارا۔ بتیاں روشن ہوئیں اور... چوکھٹ میں کھڑی زمر کی آنکھوں میں تحیر اتر آیا۔ وہ قدم قدم چلتی آگے آئی اور گردن گھما کر دیکھا۔ گو کہ اس نے کسی ایسے ہی منظر کی توقع کی تھی، مگر اس کا حجم اتنا زیادہ ہوگا، یہ اسے اندازہ نہیں تھا۔

اس کمرے میں کاغذ تھے۔ بے تحاشہ کاغذ۔ تین دیواریں کاغذوں سے بھری ہوئی تھیں۔ نوٹس، تصاویر، اخبار کے تراشے اوپر نیچے چپکے تھے۔ اسٹڈی ٹیبل پہ لیمپ کے ساتھ کچھ فائلز دھری تھیں، اور کچھ جدید آلات۔ دو مزید لیپ ٹاپس۔ زمر نے چہرہ فارس کی طرف موڑا تو وہ اسی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔

”یہ کیا ہے؟“

”جو میں کرتا رہا ہوں۔ پچھلے چار سال سے۔“

زمر کی نظریں پھر سے کاغذوں سے ڈھکی دیوار تک گئیں۔ وہاں بہت سے لوگوں کی تصویریں لگی تھیں۔ کچھ کو تو وہ پہچانتی تھی۔ جسٹس سکندر، (فارس کے کیس کا جج) اے ایس پی سرمد شاہ، وارث غازی کا باس الیاس فاطمی، ڈاکٹر توقیر بخاری (جنہوں نے سعدی کا آپریشن کیا تھا) کی بیوی ڈاکٹر ایمن بخاری... اور بھی کچھ لوگ جن کو وہ نہیں پہچانتی تھی۔ وہ ڈاکٹر ایمن کی تصویر پہ نظریں مرکوز کیے آگے آئی۔

”تو تم واقعی ڈاکٹر توقیر کی بیوی کو جانتے تھے۔ وہ تمہاری....“ اس نے تصویر کے اوپر نیچے لگے کاغذوں پہ نظر دوڑائی۔

''وہ تمہاری سائیکاٹرسٹ تھی!''

فارس خاموش رہا۔

''اس نے کورٹ میں بیان دیا تھا کہ تم نے اس کے سامنے اعتراف جرم کیا ہے۔۔اور۔۔۔یہ سب وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمہیں جیل بھجوایا' اور جیل سے نکلنے نہیں دیا۔'' وہ اوپر سے نیچے تک ان دیواروں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''تم۔۔تم واقعی چار سال سے فارغ نہیں بیٹھے تھے۔'' زمر کہتے کہتے چونکی۔ ''تم انتقام پلان کرر ہے تھے؟''

فارس طہیر غازی نے اثبات میں سر کو خم دیا۔ اب وہ چوکھٹ سے ٹیک لگائے' بازو سینے پہ لپیٹے کھڑا تھا۔

''اور یہ لوگ۔۔۔'' وہ ایک دوسری دیوار پہ چسپاں کاغذ دیکھنے لگی۔ ''یہ کون ہیں؟''

''جیل کے ساتھی!''

زمر نے اچھنبے سے ان تصاویر کو دیکھا۔ ''یہ وہ کرمنلز ہیں جن کو جیل میں جب کسی سے لڑنا ہوتا یا کام نکلوانا ہوتا' یہ تمہیں آگے لگا دیتے' یہ تمہارے غصے اور جارحیت کو استعمال کرتے تھے' مگر یہ لوگ۔ ان کا تمہارے اس۔۔اس انتقام سے کیا تعلق؟''

''آپ کو کس نے کہا کہ یہ مجھے استعمال کرتے تھے؟'' وہ تلخی سے مسکرایا تو زمر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''زمر بی بی کسی نے ایک دفعہ مجھے کہا تھا کہ تمہاری کمزوری تمہارا غصہ ہے۔ سو اپنی کمزوری کو اپنی طاقت بنا لو۔ میں نے اتنے سال یہی کیا ہے۔ آپ کو کیا لگتا ہے' اتنا بے وقوف ہوں میں کہ بنا سوچے سمجھے پرائے پھڈوں میں کود پڑوں گا؟''

وہ بالکل ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی۔ ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔

''انہوں نے تمہیں استعمال نہیں کیا' بلکہ تم نے۔۔تم نے ان کو استعمال کیا۔۔اوہ۔۔۔'' لب بے اختیار سکڑے۔ اسے کچھ کچھ سمجھ آنے لگا تھا۔

''میں نے جیل میں چار سال ان کرمنلز' اسمگلرز' کرایے کے قاتلوں' اور ڈرگ ڈیلرز کے ساتھ تعلقات بنائے ہیں' ان کے مسئلے سلجھائے' ان پہ احسان کیے' ان کی کمزوریاں بھی جانیں' اور ان کی طاقت بھی' تاکہ وقت پڑنے پہ ان دونوں کو استعمال کر سکوں۔ میں ایک بڑے تالاب میں تھا جس میں گندی مچھلیاں تھیں۔ مجھے باہر کے مگرمچھوں سے لڑنے کے لیے ان کی مدد چاہیے تھی۔'' چوکھٹ سے ٹیک لگائے کھڑے فارس نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ ''جب جیل گیا تھا تو اکیلا تھا' جب باہر آیا ہوں تو بہت سے کانٹیکٹس ہیں میرے پاس۔''

''اور وہ سب تمہیں تمہارے انتقام میں مدد دیں گے؟''

''بالکل!'' اس نے شانے اچکائے۔

زمر پھر سے آگے پیچھے گھوم کر اس کمرے کو دیکھنے لگی۔ اس کی بھوری آنکھوں میں تحیر کے ساتھ الجھن تھی۔

''مگر ان لوگوں نے۔۔۔۔'' ڈاکٹر ایمن' اے ایس پی وغیرہ کی تصاویر کو دیکھتے بولی۔۔۔۔ ''اگر تمہیں جیل میں ڈالا تھا' تو تمہارے اپنے جرائم کی

وجہ سے اور...."

"او کے مسز زمر! میں آخری دفعہ آپ کو یہ بات بتانے جا رہا ہوں۔" ہاتھ اٹھا کر اسے روکا اور بہت تحمل سے بولا۔ "اور اس کے بعد آپ کبھی میری منت بھی کریں تو میں نہیں دہراؤں گا اس لئے ابھی دھیان سے سنیں۔" سنجیدگی سے چبا چبا کر بولا۔ "میں نے وہ قتل نہیں کیے تھے، نہ آپ پہ گولی چلائی تھی" ذرا ٹھہرا۔ "مگر مجھے پتہ ہے کہ آپ یقین نہیں کریں گی، ٹھیک ہے۔ سو سنیں، مجھ سے زندگی میں ایک ہی بڑی غلطی ہوئی ہے، وہ یہ کہ وارث کی چیزیں جب میری کار سے برآمد ہوئیں تو مجھے احتیاط کرنی چاہیے تھی، مگر میں اوور کونفیڈینٹ تھا۔ مجھے لگا مجھے کوئی گرفتار نہیں کرسکتا۔ اور اسی اعتماد نے مجھے جیل پہنچا دیا۔" تلخی مگر تحمل سے وہ کہہ رہا تھا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔

"آپ مجھے قاتل سمجھتی ہیں، ٹھیک ہے، بالفرض میں نے وہ قتل کیے بھی تھے، تب بھی، کیا مجھے Fair Trial کا حق نہیں تھا؟"

"تھا!" زمر کا سر خود بخود اثبات میں ہلا تھا۔

"کیا اس بدترین تشدد کی اجازت تھی جو مجھ پہ کیا گیا؟ کیا اس سائیکاٹرسٹ کو حق تھا کہ میرے پرائیوٹ سیشنز کورٹ میں بیان کرے؟"

اس کی گردن نفی میں ہلی۔ "نہیں۔"

"کیا اس جج کو حق تھا کہ وہ مجھے نو، نو، دس دس ماہ بعد کی تاریخیں دیا کرے؟ کیا پراسیکیوٹر بصیرت کا فرض نہیں تھا کہ وہ کیس کی پوری تفتیش کرے؟"

زمر نے اب کے بس گردن ہلائی۔

"تو زمر بی بی.. میرا بھائی مرا تھا، بیوی مری تھی، میرا خاندان تباہ ہو گیا تھا، اور مجھے فیئر ٹرائل کا حق بھی نہیں دیا گیا۔ سو...." دیواروں کی طرف اشارہ کیا۔ آنکھوں میں تپش سی تھی جو زمر نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ "جیل جانے کے چار ہفتے بعد میں نے یہ سب پلان کرنا شروع کیا تھا۔ اور میں اپنے انتقام کو ضرور پورا کروں گا۔ میری زندگی کے ان چار سالوں کا حساب ان لوگوں کو دینا ہو گا۔"

پر اسرار اسٹور روم میں خاموشی چھا گئی۔ بہت دیر بعد وہ بول پائی۔ "تم ان لوگوں کو قتل کرنا چاہتے ہو؟"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "میں قاتل نہیں ہوں، اور قتل کرنے سے یہ لوگ ایک ہی دفعہ مر جائیں گے، اس لئے موت سے نہیں، یہ اپنی زندگیوں سے اپنے کیے کا حساب چکائیں گے۔"

زمر نے ایک گہری سانس لی اور اسٹڈی ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ وہ گہری سوچ میں دکھائی دیتی تھی۔

"تمہیں جیل سے نکلے ڈھائی ماہ سے اوپر ہو چکے ہیں، مگر یہ لوگ تو آزاد ہیں۔ میرا مطلب ہے، تم نے ابھی تک کچھ کیا کیوں نہیں؟ تم کس چیز کا انتظار کر رہے تھے؟" اس نے دوسری کرسی کھینچی اور سامنے بیٹھا۔

"دو چیزیں۔" اب کے قدرے نرمی سے بتانے لگا۔ "پہلی، مجھے فنانشلی اسٹرانگ ہونا تھا، پیسہ چاہیے تھا، امی نے ایک فلیٹ چھوڑا تھا میرے نام لاہور میں۔ اس کو بیچنا تھا، اسی میں لگا تھا۔ اور دوسرا، مجھے ابھی یہ جاننا تھا کہ ان سب لوگوں کو چلانے والا کون ہے؟ کون ان کو حکم دے رہا

تھا؟ آپ بے شک یہی سمجھ لیں کہ میں نے وہ قتل کیے تھے تو پھر کون ہے میرا دشمن جس نے مجھے جیل بھجوایا' اور باہر نہیں نکلنے دیا؟ اتنا بے وقوف تو نہیں ہوں نا میں کہ ایسے ثبوت اپنی کار میں چھوڑوں گا!'' زمر نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''کسی نے تو مجھے ایسے پھنسایا تھا نا کہ میں باہر نہ نکل سکوں؟'' زمر نے پھر ہاں میں گردن ہلائی۔ اسے پہلی دفعہ اپنا آپ فارس کی ٹیچر جیسا نہیں، اس کی اسٹوڈنٹ جیسا لگ رہا تھا۔

''پھر.... کیا تمہیں معلوم ہو سکا؟''

فارس نے سچائی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں۔ لیکن اگر آپ غور کریں تو یہ تمام لوگ جو مجھے جیل برد کرنے میں ملوث تھے' وہی لوگ سعدی کی گمشدگی سے جڑے ہیں۔ جب وہ ہسپتال لے جایا گیا' تو ڈاکٹر بخاری کی اس دن ڈیوٹی نہیں تھی' مگر ان لوگوں کو معلوم تھا کہ اس ہسپتال میں ان کے کام کا بندہ کون ہے' اس کی بیوی کو پہلے استعمال کر چکے تھے' سو انہوں نے ڈاکٹر بخاری کو ہسپتال بھیجا' وہ آیا' اور اپنا کام دکھا گیا۔ اگر مجھے اس وقت معلوم ہوتا کہ یہ ڈاکٹر ایمن کا شوہر ہے' تو میں....'' بے بسی اور غصے سے اس نے کچھ سخت کہنا چاہا' مگر سر جھٹک کر رہ گیا۔ وہ اسی طرح اسے دیکھے گئی۔

''کیا سعدی کو یہ سب معلوم تھا؟''

''نہیں۔'' فارس گردن موڑ کر ان کاغذوں کو دیکھتے بولا۔ ''وہ ایک دن صبح کے وقت آیا' تو میں نے اس کمرے کو لاک کر دیا اور خود باہر والی ٹیبل کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ وہاں چند کاغذ لگا رکھے تھے......'' زمر نے مڑ کر دیکھا، وہاں چند کاغذ اور الیاس فاطمی کی تصویر اب بھی لگی تھی۔ ''وہ یہی سمجھا کہ میں صرف اس ایک ماسٹر مائنڈ کو ڈھونڈنا چاہتا ہوں' اور اسے مارنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس کی تصحیح نہیں کی۔ میں اسے اس سب سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ اس کو کچھ معلوم تھا شاید جسے وہ چھپا رہا تھا' کیونکہ وہ سعدی تھا' آپ کی طرح تھا!'' زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''آپ دونوں ایک ہی جیسے ہیں، اسٹریٹ فارورڈ۔ مجھے پتہ ہے کہ اس نے مجرم تک پہنچ کر کیا کیا ہو گا!'' سر جھٹکا۔ ''ان لوگوں کو کنفرنٹ کیا ہو گا' دو چار نصیحتیں جھاڑ آیا ہو گا' اور ارادہ ہو گا کہ سب کو اپنا کارنامہ بتا کر کہے' فلاں فلاں ملوث ہے اس میں' اس کے خلاف مقدمہ درج کراتے ہیں اور یوں ہمیں انصاف مل جائے گا۔'' تلخی سے پھر سر جھٹکا۔ ''مجھے پورا یقین ہے اس نے ضرور ان لوگوں کو احساس دلایا ہو گا کہ وہ ان کے راز جانتا ہے' اور انہوں نے اسے خاموش کرا دیا۔ مگر میں....'' زمر کی آنکھوں میں دیکھ کر سختی سے بولا۔ ''میں سعدی یوسف نہیں ہوں۔ میں فارس غازی ہوں۔ میں لمبی لمبی باتیں نہیں کرتا' اور جو میں ان لوگوں کا حشر کروں گا' وہ دنیا دیکھے گی۔''

''سو تم اسی لئے ڈاکٹر والا معاملہ ڈیلے کر رہے تھے کیونکہ تم میرے پلان کے مطابق ان کو صرف اکیلا اور ایکسپوز ہی نہیں کرنا چاہتے' بلکہ.... تم ان کو تباہ بھی کرنا چاہتے ہو۔''

''بالکل۔''

''اور تمہیں معلوم تھا کہ میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی' اس لئے تم نے یہ سب مجھ سے چھپایا۔''

''ابھی وہ وقت نہیں آیا جب آپ مجھے کسی چیز سے روک سکیں' مگر میں آپ کی بلاوجہ کی بحث نہیں سن سکتا تھا۔'' ذرا سے شانے اچکائے۔

''اسی لئے پہلے تم نے مجھے اعتماد میں لیا' اور پھر آہستہ آہستہ سارا کنٹرول میرے ہاتھ سے لینے لگے۔ اور جب مجھے شک ہوا' تم نے مجھے غصے میں ٹال دیا' ایکچوئلی فارس....'' وہ سر ہلاتے ہوئے سمجھنے والے انداز میں کہنے لگی۔ ''میں نے تمہیں کبھی حنہ' یا ندرت بھابھی' یا سعدی پہ غصہ کرتے نہیں دیکھا' کبھی ابا سے بھی غصے سے بات نہیں کی' صداقت کو بھی نہیں جھاڑا' سو میں تمہیں بتاؤں مجھے کیا لگتا ہے؟'' اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''مجھے لگتا ہے' تم اپنا غصہ کنٹرول کرنا جانتے ہو' مگر تم اسے استعمال کرتے ہو۔ جیسے تم اسے جیل میں استعمال کرتے تھے۔ تم اتنے غصہ ور ہو نہیں جتنا خود کو ظاہر کرتے ہو' تا کہ لوگ تمہیں کمزور اور جذباتی سمجھیں اور تم اپنا کام کر جاؤ۔ اور تم نے دیکھا' وہ اے ایس پی تم سے قطعاً خوفزدہ نہیں ہے جتنا وہ مجھ سے جھجکتا ہے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''تو آپ اتنے دن سے مجھے اسٹڈی کر رہی تھیں؟''

''واٹ ایور!'' اس نے شانے اچکائے۔ پھر اٹھ کر ایک کاغذوں سے بھری دیوار کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''تو اب تم چاہتے ہو کہ ہم ان لوگوں کو صرف استعمال ہی نہ کریں' بلکہ ان کو سزا بھی دیں۔''

''میں یہ کام اکیلے کر سکتا ہوں' آپ نہ شامل ہوں تو آپ کی مرضی!''

''ہاں' تم بہت کچھ کر سکتے ہو' مجھے اندازہ ہو رہا ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو پھر آپ میرا ساتھ دیں گی؟'' وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ زمر دیوار کو دیکھتی رہی۔

''اگر تم سعدی کو واپس لے آؤ تو میں سب کچھ کرنے پہ تیار ہوں۔'' اس نے خود کو کہتے سنا۔

''جب جیل میں تھا میں' اور یہ سب لوگ میرے خلاف تھے' مجھے اذیت دے رہے تھے تو صرف ایک شخص تھا جس نے میری بات پہ اعتبار کیا تھا' اور جس نے مجھے باہر نکالا تھا اس قید سے۔ وہ سعدی تھا۔ اور میں اسے واپس لے آؤں گا۔ لیکن اس کے لئے' آپ کو میرے طریقے سے کام کرنا ہو گا' سو زمر بی بی...'' وہ دو قدم چل کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور جب بولا تو آنکھوں میں مضبوط عزم تھا۔ ''آج سے سارے فیصلے میں کروں گا۔ اور آپ مجھ سے زیادہ بحث نہیں کریں گی۔'' چند لمحے زمر اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

''ٹھیک ہے' مگر ایک آخری سوال۔'' اور پھر وہ زخمی سا مسکرائی۔ ''تمہارے ان سارے مجرموں میں میری تصویر کدھر گئی ہے؟ آخر تمہیں جیل تو میں نے بھیجا تھا نا۔''

فارس کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری۔

''میرا نمبر ان میں کون سا ہے؟ کب آئے گی میری باری؟'' وہ چند ثانیے کچھ کہہ نہیں پایا۔

''جیسا کہ آپ نے خود کہا تھا' جب سعدی مل جائے گا' تب آپ مجھ سے اپنا حساب لیں گی' سو میں بھی تب ہی آپ سے حساب لوں گا۔'' اور اس نے صرف اپنی انا کے باعث وہ کہا جو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اور وہ اس بات سے بے خبر' کہ یہ وہ عورت ہے جسے وہ ایک ہزار دفعہ بھی معاف کر سکتا ہے' سر ہلا کر گہری سانس لیتے بولی۔

''ٹھیک ہے۔ میں تب تک تمہارے ساتھ ہوں جب تک سعدی نہیں مل جاتا۔ مگر آج سے میں ہر جگہ تمہارے ساتھ جاؤں گی۔''

''آپ کو مجھ پہ اعتبار نہیں ہے؟''

''نہیں میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم کیسے کام کرتے ہو' کل کو جب تم مجھ سے اپنا حساب لو تو کم از کم مجھے تمہارے طریقوں کا علم تو ہو نا۔''

قطعیت سے کہتی وہ مڑ گئی۔ فارس خاموشی سے اسے سیڑھیاں چڑھتے دیکھتا رہا۔ تہہ خانے میں ایکدم اداسی چھا گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب جو چاہیں بھی تو اس طرح نہیں مل سکتے

پیڑ اکھڑے تو کہاں بارِ دگر لگتا ہے

ان سے سینکڑوں، ہزاروں میل دور' اس کمرے میں مقید سعدی یوسف' بیڈ پہ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تین تصویریں تھیں جب کو وہ بار بار اوپر نیچے کر کے دیکھ رہا تھا۔ ہاشم اپنا زہر اگل کر جا چکا تھا، اور سعدی کا سن کرتا جسم بھی آہستہ آہستہ نارمل ہو چکا تھا۔

(ڈاکٹر سارہ نے کسی کو نہیں بتایا) وہ یاسیت سے سوچ رہا تھا۔ (اس نے اپنا پین ایک غلط شخص کے ہاتھ میں دے دیا' اسے ہمیشہ سے معلوم تھا وہ کتنی بزدل اور ڈری سہمی ہے' مگر یہ سب بنا سوچے سمجھے ہوا۔ اس کی زندگی کی دوسری بڑی غلطی زمر اور حنہ سے جھوٹ بولنا تھی کہ وہ کسی سائنسدان سے ملنے جا رہا ہے اور پہلی بڑی غلطی.... سارہ پہ اعتبار کرنا تھی۔)

مسلسل تصویریں شفل کرتے زمر اور نوشیرواں کی تصویر اوپر لایا۔ آنکھوں میں سرخی سی دوڑنے لگی۔ حنین کی تصویر اوپر آئی تو دماغ پھٹنے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گہرے سانس لئے' خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

تبھی دروازہ کھول کر میری انجیو اندر داخل ہوئی۔ اس کے قریب آ کر سپاٹ سا بولی۔ ''مجھے ذرا کام ہے' مایا ابھی آتی ہو گی' تمہاری پٹی دیکھے گی۔ زیادہ ہوشیاری مت دکھانا۔ مایا اچھی ہے' بہت اچھی' مگر اسے استعمال کرنے کی کوشش مت کرنا۔''

وہ سر جھکائے تصویریں الٹ پلٹ کرتا رہا۔ اس کی بات گویا ان سنی کی۔ وہ چلی گئی تو مایا اندر آئی۔ نرس بھی ساتھ ہی آیا' مگر مایا نے ایک دم اسے مخاطب کیا۔

''وہ... میرا بلیک بیگ داخلی دروازے کے قریب رہ گیا ہے' ذرا لیتے آؤ۔'' وہ سر ہلا کر باہر گیا' تو مایا تیزی سے اس کی طرف آئی۔ بے چینی سے اس کو دیکھا۔

''سنو' میری انجیو گھر پہ نہیں ہے' اور میں ابھی سیدھی بازار جاؤں گی' کاردار صاحب کا آدمی بازار کے اندر میرے ساتھ نہیں جائے گا' تم مجھے اپنی فیملی کا کوئی نمبر دو' میں ان کو کال کر کے اطلاع کر دوں گی کہ تم کہاں ہو۔'' وہ جلدی جلدی بول رہی تھی۔

سعدی نے گویا نہیں سنا' بس انہی تصویروں کو دیکھتا رہا۔

''تم سن رہے ہو؟'' وہ جھنجھلائی اور اس کا کندھا ہلایا۔ ''سعدی' مجھے کوئی کانٹیکٹ نمبر دو جہاں میں فون کر سکوں۔ تاکہ تم ان کے پاس واپس

جاسکو۔"

سعدی نے اس کے یوں ہلانے پہ آنکھیں اٹھا کر اجنبی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میری کوئی فیملی نہیں ہے۔ نہ مجھے کسی کے پاس واپس جانا ہے!"

مایا دھک سے رہ گئی۔ پھر اس کی شفاف آنکھوں میں بے پناہ دکھ ابھرا۔

"ایسے مت کہو۔ تمہاری فیملی تمہاری منتظر ہو گی۔"

"میں نے کہا نا میری کوئی فیملی نہیں ہے۔" اس نے وہ تصویریں اکٹھی کیں' اور شڑپ سے پھاڑیں' پھر اکٹھی کر کے دوبارہ پھاڑیں اور دروازے کی طرف اچھال دیں۔ تبھی نرس واپس اندر داخل ہوا۔ سارے پرزے اس کے قدموں میں گر گئے۔

مایا اب کچھ نہیں کہہ سکتی تھی' مگر آنکھوں میں بے پناہ تکلیف اور کرب لیے وہ نرس کو ہدایات دینے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اجنبی لگنے لگے خود تمہیں اپنا ہی وجود

اپنے دن رات کو اتنا بھی اکیلا نہ کرو

اس رات انیکسی میں خاموشی چھائی تھی۔ سیم اور ابا اپنے کمرے میں سونے جا چکے تھے۔ فارس گھر نہیں تھا۔ اور ندرت کو آج ذکیہ خالہ بہت اصرار سے اپنی طرف لے گئی تھیں۔ ایسے میں حنین اکیلی لاونج کے صوفے پہ لیٹی تھی۔ ٹی وی مدھم آواز میں چل رہا تھا' مگر وہ چھت کو تکتی سوچے جا رہی تھی۔ ہاشم کے جھوٹ کے بارے میں۔ فلیش کے بارے میں جسے وہ کھول نہیں سکی تھی۔ ہاشم سے بات نہ کرنے کے بارے میں۔۔

تبھی میز پہ رکھا فون بجنے لگا۔ حنین نے ست روی سے گردن موڑی۔ ہاشم کی کال آ رہی تھی۔ اسی پل دروازہ کھلا اور اس نے فارس کو اندر آتے دیکھا۔ وہ موبائل اٹھانے کے لئے ہاتھ بھی نہ بڑھا سکی۔

"کس کا فون ہے؟" وہ اس کے سر پہ پہنچ گیا تھا۔ وہ بس یک ٹک گردن اٹھائے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"حنین میں پوچھ رہا ہوں' اس وقت کس کا فون آ رہا ہے؟" وہ غصے سے پوچھ رہا تھا اور حنین کا پورا وجود سن تھا.... دل نے ساتھ چھوڑ دیا تھا' جسم سے جان نکل رہی تھی.... فارس نے فون اٹھا لیا تھا.... اب وہ سب جان جائے گا۔

کرنٹ کھا کر جیسے اس کی آنکھ کھلی اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ پورا جسم پسینے میں ڈوبا تھا۔ ادھر ادھر گردن گھمائی۔ وہ اکیلی تھی۔ ٹی وی ہنوز چل رہا تھا۔ موبائل ہاتھ میں تھا۔ وہ کب سوئی' پتہ ہی نہیں چلا۔ پہلے اس نے موبائل دیکھا۔ کوئی کال نہیں تھی۔ اوہ وہ خواب تھا!

آہٹ پہ چونکی۔ فارس دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ اسی طرح متوحش سی بیٹھی تھی۔ اس نے لاک لگایا' اور قدم قدم چلتا قریب آیا۔ حنہ کو دیکھ کر آنکھوں میں استعجاب ابھرا۔

''ادھر کیوں سو رہی ہو؟''

''وہ امی... امی ذکیہ نانی کی طرف گئی ہیں نا تو.... میں... اکیلی تھی۔''

''ہاں انہوں نے مجھے بتایا تھا' تو تم اکیلی کیوں ہو؟ سیم کو اپنے ساتھ سلانا تھا۔'' ایک نظر ابا کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔ ''اچھا اب ادھر مت سوؤ۔ صبح ملازم لڑکا آتا ہے' اس کے لئے دروازہ کھولنا ہوتا ہے۔ شاباش' اٹھو' اوپر ہمارے کمرے میں آ جاؤ۔'' ساتھ ہی اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا' مگر آنکھوں میں حنہ کے لئے بے حد نرمی تھی۔

حنین کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ وہ ایک دم اٹھی اور اس کے بازو کے گرد ہاتھ لپیٹ کر اس کے کندھے سے ماتھا لگا دیا۔

''ماموں' میں آپ کو کبھی نہیں کھونا چاہتی۔ میں نے بہت برا خواب دیکھا۔ میں آپ کو کھونے والی تھی۔'' آنسو ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ ''میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔ بہت زیادہ۔''

فارس نے گہری سانس لی۔ ''نہیں حنہ میں تمہیں اس وقت کچھ کھلانے باہر نہیں لے جا سکتا۔''

روتے روتے حنہ نے ناراضی سے چہرہ اٹھایا۔ ''دنیا میں کھانے سے بڑے مسائل بھی ہو سکتے ہیں۔''

''مثلاً؟'' اس نے غور سے حنین کے چہرے کو دیکھا۔ بالوں کو پونی میں باندھے اس کی آنکھیں گیلی نظر آ رہی تھیں۔ اس سوال پہ مزید بھر آئیں۔

''میں بہت بری ہوں۔'' گلٹ بہت شدید تھا۔

فارس نے ابرو اٹھائی۔ ''شکل میں؟''

حنین ہلکا سا ہنس دی۔ اس کا بازو چھوڑا۔ آنسو گر رہے۔ ''آپ کے ساتھ ایموشنل ہونے کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

''چلو اب اپنا ڈرامہ ختم کرو اور آؤ۔'' وہ مسکرا دی۔ دل ایک دم ہلکا پھلکا سا ہو گیا۔ وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا تو حنہ نے سوچا' بس اب وہ ہاشم کو یوں چھپ کر ٹیکسٹ نہیں کرے گی۔ بس ختم یہ سلسلہ۔

دونوں کمرے میں داخل ہوئے تو زرد بتی جل رہی تھی' اور زمر آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی تھی۔ فارس کی نگاہیں اس کے پیر پہ جا رکیں' جس کا انگوٹھا ہنوز پٹی میں مقید تھا۔

''زمر!'' اس نے پکارا تو اس نے آنکھوں سے بازو ہٹایا۔

''حنہ آپ کے ساتھ سوئے گی' میں آپا والے کمرے میں جا رہا ہوں۔'' اطلاع دیتے ہوئے وہ اپنی چیزیں اٹھا رہا تھا۔ زمر اٹھ گئی۔

''ارے تم اکیلی کیوں تھیں؟ سیم کو بولا تھا میں نے.... خیر آ جاؤ' اب سو جاؤ'' وہ نرمی سے کہتی اٹھی اور اس کے لیے لحاف نکالنے لگی۔

حنین چپ چاپ آ کر زمر کے دوسری طرف لیٹ گئی۔ موبائل پہ سحری کا الارم لگا کر اپنے اور زمر کے تکیے کے درمیان رکھ دیا۔ (زمر سے کوئی بات نہیں کی۔) اور ماتھے پہ بازو رکھ لیا۔ موبائل کی لائٹ جل رہی تھی۔ روشنی بجھنے کا وقت دو منٹ تھا۔ ڈیڑھ منٹ بعد حنہ نے

کروٹ بدل لی۔ تبھی موبائل تھرتھرایا۔ زمر چونکی۔ موبائل تیز جلا پڑا تھا۔ اوپری بار میں نئے میسیج کی پہلی سطر نظر آ رہی تھی۔

''ہاشم کاردار: کیا میں تمہیں کال کر لوں؟''

حنہ نے کروٹ لی، زمر نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ اسے آہٹ سنائی دی۔ پھر فون آف ہونے کی ٹون گونجی۔

پھر وہ سو گئی، مگر زمر یوسف کی نیند اڑ چکی تھی۔ (ہاشم نے ایسا میسیج حنہ کو کیوں کیا؟)

اگلی شام وہ کمرے میں بیٹھی کیس اسٹڈی کر رہی تھی تو دروازہ دستک کے بعد کھلا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ سارہ چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ آنکھوں میں اداسی، لبوں پہ نرم مسکراہٹ اور بال نفیس سے فرنچ ناٹ میں بندھے تھے۔ وہ اور ذکیہ خالہ، ندرت کو شاپنگ کے لیے پک کرنے آئی تھیں۔ یہ بھی ندرت کا اصرار تھا۔ عید کی تیاری کرنی تھی۔ سعدی کے کپڑے بھی لینے تھے۔ زمر کے لیے کل ہی لے آئی تھیں۔ (ڈسٹریکشن۔)

''آیئے سارہ۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ سارہ اس کی فائلز کو دیکھتے قریب آ کر بیٹھی۔ وہ ان دو ماہ میں دوسری دفعہ آ رہی تھی۔ پہلے ادھر ادھر کی چند باتیں کیں۔ پھر وہی ذکر آیا۔

''سعدی کا کچھ پتہ چلا؟'' (مٹھی پہ پسینہ آیا)

''نہیں، مگر پتہ چل جائے گا۔''

''آپ کو اتنا یقین کیسے ہے کہ وہ زندہ ہو گا؟'' یہی بات سارہ کے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ زمر آزردگی سے مسکرائی۔

''کیونکہ ہم زندہ ہیں۔''

سارہ کے دل کو دھکا سا لگا۔ بدقت چند باتیں کر پائی۔

''کیا کوئی گواہ سامنے نہیں آیا؟ کسی نے کچھ تو دیکھا ہو گا؟'' بظاہر سرسری سا پوچھا۔

زمر نے گہری سانس بھری۔ ''نہیں، کوئی سامنے نہیں آیا۔ گواہ عموماً سامنے کم آتے ہیں۔ سب کی اپنی فیملیز ہوتی ہیں۔ ویلکم ٹو پاکستان!''

''تو کیا گورنمنٹ ان کو witness پروٹیکشن نہیں دے سکتی؟ ان کی فیملیز کی حفاظت نہیں کر سکتی؟''

''سارہ، ہمارا سسٹم بہت زبوں حال ہے۔ ہم گواہ چھپا دیں، تب بھی لوگ ان کا پتہ نکال لیتے ہیں۔ خیر!'' اس نے سر جھٹکا۔ ''ہر کوئی اتنا بہادر نہیں ہوتا۔''

سارہ کے لیے مزید بیٹھنا دوبھر تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اس کا مطلب ہے گواہوں کو اپنی حفاظت خود کرنی ہوتی ہے! خیر! میں چلتی ہوں!''

زمر نے مسکرا کر الوداع کہا اور اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ہم خاک نشین، تم سخن آرائے سرِ بام

پاس آ کے ملو، دور سے کیا بات کرو ہو!

رمضان اسی طرح خاموش سا گزر گیا اور عید کی شام قصر اور اس کے سبزہ زار پہ اتری تو بے پناہ روشنیاں لئے ہوئے تھی۔ بے فکر، خوبصورت اور خوش باش لوگ ٹہل رہے تھے۔ ویٹرز ٹرے اٹھائے مشروبات سرو کرتے نظر آ رہے تھے۔ ایسے میں سبزہ زار کے وسط میں ہاشم میرون شلوار قمیص میں ملبوس' گلاس تھامے ہنستا ہوا مہمانوں سے باتیں کرتا نظر آ رہا تھا۔ جواہرات بھی قریب کھڑی تھی۔ سبز گاؤن میں مسکراتی ہوئی' کانوں میں زمرد اور ہیرے جڑے آویزے پہنے۔ کاردارز کی عید کی پارٹی اتنی ہی جگمگاتی ہوئی ہوتی تھی۔

ان سے دور ہٹو تو سبزہ زار کے بالکل کنارے پہ ایک الگ تھلگ میز پہ Yousufs کا ٹیگ لگا تھا۔ وہاں سیم اور حنین کھڑے مدھم آواز میں بات کر رہے تھے۔ ندرت جو ساتھ بیٹھی تھیں، ابا سے ہلکی پھلکی بات کرتیں' پھر خاموش ہو جاتیں۔ سعدی کی باتیں۔ سعدی کے نہ ہونے کی اداسی۔ امی نے سیم کے آف وائٹ کرتے جیسا بڑا سائز سعدی کے لئے بھی لیا تھا۔ سعدی کی یاد' سعدی کی محبت سے بڑھ گئی تھی۔

سیم بدل لگ رہا تھا۔ بدل تو حنہ بھی تھی۔ لمبی نیلی قمیص میں ملبوس، کھلے بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے ہوئے تھی۔ ماتھے پہ کٹے بال ترچھے ہو کر ابرو سے نیچے گرتے تھے۔ (ماموں والے خواب کے بعد اس نے ہاشم سے بات نہیں کی، نہ ہاشم نے پھر ٹیکسٹ کیا)۔ حنہ کی نظریں بھٹکتی ہوئیں ہاشم پہ جا ٹھہریں۔ وہ دور تھا' ایفل ٹاور کی طرح۔ اسے دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ ہونہہ۔ اس نے منہ پھیر لیا۔

قریب میں زمر کھڑی فارس سے بات کرتی نظر آ رہی تھی۔ اس نے امی کی لائی سرخ ساڑھی پہن رکھی تھی جس کے آستین کہنیوں سے نیچے تک آتے تھے۔ بال جوڑے میں تھے' اور صرف دو گھنگریالی لٹیں گالوں پہ گرتیں۔

''کیا تم پارٹی میں نہیں شامل ہو گے؟'' خفگی سے فارس سے پوچھا جو ابھی باہر سے آیا تھا اور سیدھا اندر جا رہا تھا۔ جینز پہ سفید کرتا۔ پیروں میں پشاوری چپل۔ منہ میں کچھ مسلسل چباتا ہوا۔ بے نیازی سے ابرو اچکائے۔ ''کاردارز کی پارٹیز کی عادت نہیں مجھے۔ آپ لوگ انجوائے کریں۔''

وہ گویا کھول گئی۔

''ہم انجوائے کرنے نہیں آئے۔ میں اس لیے تیار ہوئی ہوں تا کہ بھابھی کو یہ نہ لگے کہ میں نے وہ باتیں نہیں بھلائیں۔ اگر تم نہ آئے' تو ان کو یہی لگے گا۔ کیوں میری فیملی کو میرے خلاف کرنا چاہتے ہو؟''

''او کے، یہیں ہوں میں۔'' فارس نے تحمل سے اس کی بات سنی' اور چند لمحے کے لئے اس کی آنکھوں میں دیکھا جن میں برہمی تھی۔ (کوئی بیک وقت اتنا خوبصورت اور اتنا سنگدل کیسے ہو سکتا ہے؟) پھر رخ پھیر لیا۔ وہ حنہ کی طرف آ گئی۔

''سو یہ یو ایس بی کا کیا قصہ ہے؟ جو اس دن تم نے ہاشم کو دی، وہ سعدی نے تمہیں نہیں دی تھی؟'' کچھ دن سے حنہ کو لیپ ٹاپ سے الجھے دیکھ کر زمر نے صبح جب پوچھا تھا تو اس کے جواب سے نکلا نتیجہ اب سوالیہ انداز میں دہرایا، تو حنین نے بس سر ہلایا۔

''جی۔ میں بھائی کی چیز ان کو نہیں دے سکتی تھی۔ نہ آپ کو دوں گی۔''

''اوکے مگر جب وہ کھل جائے تو بتانا۔'' اور دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ البتہ زمر محسوس کر رہی تھی حنہ کی بار بار ہاشم کی طرف اٹھتی نظریں۔ کچھ تھا جو اسے غیر آرام دہ کر رہا تھا۔

دور کھڑے ہاشم نے فارس کو دیکھا تو ساتھ موجود خاور سے سرگوشی کی۔ ''یہ جیل کب جا رہا ہے؟''

''بس کچھ دن تک۔ میں پکا کام کرنا چاہتا ہوں۔''

''جلد کرو۔ مجھ سے یہ ادھر برداشت نہیں ہوتا۔'' ناگواری سے کہہ کر گھونٹ بھرا۔

''آپ کی 'اس' سے پھر بات ہوئی؟'' خاور نے دبے لفظوں میں پوچھا۔

''نہیں۔ ابھی تو اسے اس کی بہن کے حوالے سے خوفزدہ کیا ہے۔ کچھ دن سوچے گا وہ۔ پھر بات کروں گا۔''

پھر نگاہیں جواہرات پہ جا ٹھہریں جو ذرا فاصلے پہ کھڑی ہارون عبید سے بات کر رہی تھی۔ ہاشم نے رخ پھیر لیا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا کرب اٹھتا تھا ہارون عبید کو دیکھ کر۔ کوئی بہت شدت سے یاد آتا تھا۔

''مجھے امید تھی آپ میرے تحفے کو پہنیں گی' مگر ایسا نہیں ہوا'' ادھر وہ جواہرات سے کہہ رہے تھے۔ وہ دراز قد اور باوقار سے سیاستدان تھے۔ آنکھیں گہری تھیں اور ان میں وہی نرم سا شاطر پن تھا جو سیاستدانوں کا خاصہ ہوتا ہے۔

''میرے پاس دن بھر میں ڈھیروں تحفے آتے ہیں ہارون' اگر ہر ایک کا دل رکھنے لگ گئی تو ملکہ نہیں رہوں گی۔ حکمرانی ''ناں'' کرنے کا نام ہے۔ ورنہ 'ہاں' تو سب کہہ لیتے ہیں۔''

وہ مسکرائے۔ ''میں آپ سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ آپ کے گھر میں کھڑا ہوں۔ آپ ہماری دعوت پہ جب آئیں گی تو ہم اس گفتگو کو یہیں سے شروع کریں گے۔''

''تب کی تب دیکھی جائے گی!'' جواہرات نے انگلی سے بال پیچھے کرتے کہا۔ ''اور میرا خیال ہے' ان ٹیبلز کی طرف بہت سے لوگ آپ کی توجہ کے منتظر ہیں۔''

ہارون عبید نے ذرا کی ذرا اس طرف دیکھا' پھر سر کو خم دیا۔ ''آپ اپنے مہمانوں کو اٹینڈ کریں' اور میں انہیں۔'' مسکرا کر پلٹ گئے۔ وہ بھی مسکرا کر ان کو جاتے دیکھتی رہی' انگلی مسلسل نیکلیس کے سبز پتھروں پہ پھیر رہی تھی۔

''اس عمر میں بھی آپ سے سیکھنے کو بہت کچھ ہے مسز کاردار۔'' شہرین کھنکھار کر کہتی اس کے قریب آئی تو جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ آسمانی رنگ کی میکسی میں ملبوس تھی' باب کٹ سنہرے بال بلو ڈرائے کر کے سیٹ تھے اور آنکھوں میں معنی خیز مسکراتا تاثر تھا۔

''اگر آپ ان کا تحفہ پہن لیتیں' یا ان سے چند فقرے مزید کہہ دیتیں تو آپ کی کشش ماند پڑنے لگتی' کیا ہی اچھا ہنر ہے کسی کو اکسانے کا۔''

جواہرات نے ایک پرتپش نظر اس پہ ڈالی' مگر لبوں پہ مسکراہٹ جمی رہی۔ ساتھ ہی بازو بڑھا کر ویٹر کی ٹرے سے گلاس اٹھایا اور اتنی تیزی سے واپس لائی کہ وہ الٹنے لگا' شہری کے اوپر... مگر... کسی نے گلاس اور جواہرات کے ہاتھ' دونوں کو سختی سے پکڑ کر مشروب گرنے سے

روکا۔شہری ہل بھی نہ سکی۔جواہرات نے بھی چونک کر دیکھا۔

فارس اس کا ہاتھ پکڑے، گلاس واپس ٹرے میں رکھ رہا تھا۔ ''دھیان سے مسز کاردار' آپ اپنی بہو کے کپڑے خراب کرنے والی تھیں۔''

جواہرات کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔گھور کر فارس کو دیکھا۔

''تمہارا شکریہ فارس' میں اسے یاد رکھوں گی۔'' ان دونوں کو گھورتے آگے بڑھ گئی۔

شہری جو اس غیر متوقع صورتحال کے لئے تیار نہ تھی' بمشکل سنبھلی تھی۔جوس کے گلاس کو دیکھ کر جھرجھری لی اور پھر فارس کو دیکھا۔

''تھینک یو۔تم نے میرا ڈریس بچالیا۔'' اس نے بس ہلکے سے کندھے اچکائے۔منہ میں کچھ چبا رہا تھا اور گردن موڑے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ذرا اکتایا ہوا'ذرا بے نیاز۔شہری نے کتنے دن بعد غور سے اسے دیکھا تھا۔

''تمہیں جیل سے باہر دیکھ کر اچھا لگتا ہے فارس۔'' پھر نگاہ دور کھڑی سرخ ساڑھی والی زمر پہ پڑی' جو مسکرا کر کسی سے بات کر رہی تھی۔ شہری کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔''تم نے جلدی نہیں کر دی شادی میں؟''

وہ چونکا۔''کیوں؟''

''یونہی۔ڈی اے کے چہرے سے لگتا ہے وہ خوش نہیں ہے تمہارے ساتھ...''

''کیوں؟ کیا اس کے چہرے پہ وہی ناخوش تاثر ہے جو تمہارے چہرے پہ ہوتا تھا جب تم ہاشم کی بیوی تھیں؟''

انگاروں پہ پانی ڈالا تو وہ اور بھڑک اٹھے۔شہری کی آنکھوں میں چبھن بھری بے بسی ابھری۔''تمہیں ان مظالم کا اندازہ بھی نہیں ہے جو ہاشم نے مجھ پہ کیے ہیں'اس نے مجھے اتنے سال ٹارچر...''

''چار سال جیل میں رہا ہوں شہری' اپنے ٹارچرز کی اتنی لمبی فہرست ہے کہ کسی دوسرے کے ٹارچرز سننے میں دلچسپی نہیں رہی۔سی یو!'' ذرا اکتا کر کہتا' سر کو الوداعی انداز میں خم دیتا وہ آگے بڑھ گیا۔شہری کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔پھر نرمی سے مسکرائی۔کوئی بھی بات اسے بری نہیں لگی تھی۔اپنی میز سے نوشیرواں نے غور سے یہ سب دیکھا تھا پھر بڑبڑا کر منہ موڑ لیا۔

اسی اثناء میں زمر کو پیچھے سے کسی نے ''السلام وعلیکم'' کہہ کر پکارا تو وہ چونک کر پلٹی۔ڈنر جیکٹ میں ملبوس مسکراتا ہوا احمر وہاں کھڑا تھا۔وہ ہلکا سا مسکرائی۔

''آپ ادھر کہاں؟''

''بھول گئیں؟ ہارون عبید کا کیمپین مینیجر ہوں۔جہاں وہ' وہاں ہم۔'' سر کو جھکا کر اسٹائل سے کہا۔

''میرے کام کا کیا بنا؟''

''مصروف رہا بہت' جلد کوئی اپ ڈیٹ دوں گا' مگر ایک بات۔ہارون عبید کا کیمپین مینیجر... پندرہ ہزار فی گھنٹہ لیتا اچھا نہیں لگے گا' سو...''

ذرا سوچنے کی اداکاری کی۔ ”میری فیس بڑھ جائیں۔ ۲۵ ہزار فی گھنٹہ!“

”پچیس ہزار فی گھنٹہ؟“ زمر نے مسکرا کر دہرایا۔

”ویسے تو یہ بھی کم ہیں‘ مگر چلیں‘ آپ کے لئے اتنی رعایت کر سکتا ہوں۔“

”تھینک یو سو مچ احمر۔ آپ بہت اچھے ہیں، اور اتنے ہی اچھے لگ رہے تھے اس فوٹیج میں جس میں آپ کریڈٹ کارڈ فراڈ کرتے دکھائی دے رہے تھے، صبح ہی میں نے دیکھی، واحد اور اوریجنل کاپی جو آپ کا کیس بند کرنے کے بعد مجھے ملی‘ اتنی بڑی نہیں ہے کہ دوبارہ کیس کھولا جا سکے‘ لیکن....“ چہرہ موڑ کر سوچتی نظروں سے ہارون عبید کو دیکھا۔ ”اگر ہارون عبید نے یہ ویڈیو دیکھی‘ اور ان کو لگا کہ اس کا ریلیز ہونا ان کی کمپئین کے لئے شرمناک ہو گا‘ تو وہ کیا کریں گے؟ خیر‘ یہ سوچنا میرا کام نہیں ہے۔ ہاں تو ہم آپ کی فیس کی بات کر رہے تھے۔“ گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتے‘ بڑی تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ وہ لب بھینچے‘ دانت پیستے اسے دیکھ رہا تھا۔

”ویسے آپ کا ایک بڑا خوبصورت نِک نیم رکھا تھا میں نے‘ اس وقت بہت یاد آ رہا ہے۔“ مجبراً مسکرا کر بولا۔ ”اور فیس؟ چھوڑیں بھابھی۔ آپ میرے دوست کی بیوی ہیں‘ آپ سے فیس لیتے اچھا لگوں گا۔“

”تھینک یو احمر!“ مسکرا کر سر کو خم دیا۔ ”میرا کام ہو جائے‘ تو وہ فوٹیج آپ کی ہوئی!“ چڑیل آگے بڑھ گئی اور وہ کینہ توز نظروں سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

”وہ ڈاکٹر جس نے گولیاں لگنے کے بعد اس کو بچایا تھا، اس کو چوک میں کھڑا کر کے پچاس درے تو لگنے ہی چاہئیں!“ پھر زور سے بوٹ گھاس پہ مارا۔ اور اسی برے منہ سے پلٹا تو سامنے کھڑی لڑکی پہ نظر پڑی۔ وہ نیلی لمبی قمیض میں ملبوس تھی‘ اور ہتھیلی مٹھی تلے رکھے‘ دور کچھ دیکھتی سوچ میں گم تھی۔ وہ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتا دو قدم قریب آیا۔

”آپ سعدی کی بہن ہیں نا؟“ حنہ نے چونک کر گردن موڑی‘ پھر سیدھی کھڑی ہوئی۔ اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

”جی۔“

”میں نے اس دن آپ کو پہچان لیا تھا، آپ کی تصویر دیکھی تھی ایک دفعہ‘ کسی اخبار میں۔ آپ نے کوئی بورڈ ٹاپ کیا تھا‘ ہے نا؟“ بالآخر اسے یاد آ گیا تھا کہ اس نے حنہ کو کہاں دیکھا تھا۔

حنین یوسف کے چہرے کی رنگت سفید پڑی۔ ”جی۔“ تھوک نگلا۔

”اچھا تو کیا پڑھ رہی ہیں آپ؟“

”بی اے کیا ہے۔“

وہ حیران ہوا۔ ”صرف بی اے؟ آپ کو تو ڈاکٹر یا انجینئر بننا چاہئے تھا، ورنہ بورڈ کیوں ٹاپ کیا؟ کیا نقل کر کے کیا تھا؟“

اور احمر کے لیے بہت سی باتیں صرف مذاق ہوتی تھیں، یہ بات بھی کہہ دی‘ مگر حنین کی رنگت برف کی طرح ہو گئی۔

''آپ ہیں کون مجھ سے ایسے بات کرنے والے؟''احمر کو ایک دم احساس ہوا۔

''میں غازی کا دوست ہوں تو، سوری مگر...''

''مطلب مجھے ماموں سے بات کرنی پڑے گی۔''ایک دم وہ گھوم کر فارس کی طرف گئی۔

احمر کا دل دھک سے رہ گیا۔وہ زمر سے بات کر لیتا تھا، وہ جاب کرنے والی، سمجھدار لڑکی تھی، کسی کو خود سے فرینک نہ کرتی، اس کی اور بات تھی، مگر فارس کے گھر کی کسی دوسری لڑکی کو اوفینڈ کرنے کا مطلب اتنے برسوں کی دوستی بھاڑ میں جھونکنے جیسا تھا۔ وہ اسے روکنا چاہتا تھا مگر وہ دور کھڑے فارس تک گئی، اور اس کو متوجہ کیا۔ احمر سانس روکے اس طرف دیکھے گیا۔

حنین نے اسے کچھ کہا، فارس نے فوراً مڑ کر احمر کی طرف دیکھا۔وہ تیز تیز بولتی اس کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہے جا رہی تھی۔فارس نے اچھنبے سے پھر احمر کی طرف دیکھا، پھر آگے بڑھا (''میں دیکھتا ہوں'') مگر حنہ نے فوراً اس کا بازو تھام کر روکا، اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر جیسے تسلی کروائی (میں دیکھ لوں گی)۔فارس نے مڑ کر دو تین دفعہ اس طرف دیکھا اور واپس پلٹ گیا۔حنہ نے ایک تیز نظر احمر پہ ڈالی، (اب مجھ سے بات کرنے کی ہمت نہ کرنا) اور آگے بڑھ گئی۔

احمر کا گلاس پکڑے ہاتھ پسینے میں بھیگا تھا۔وہ شل کھڑا تھا۔(خدایا، وہ غازی کو کیسے صفائی دے گا؟) تھوڑی دیر بعد اس نے ہمت کی، فارس کی طرف آیا۔ سمجھ نہیں آیا کیا کہے۔اس لڑکی نے جانے کس انداز میں بات کی ہو۔فارس دور جا رہا تھا، وہ روک نہیں سکا، پھر وہاں کھڑے بور سے ہوتے سیم کو مخاطب کیا۔''سنو...میں سعدی کا دوست ہوں،'' سیم متوجہ ہوا تو تذبذب سے کہنے لگا۔''ابھی آپ کی سسٹر میرے بارے میں جو کہہ رہی تھیں غازی سے، وہ...''

''جی؟''سیم نے حیرت سے اسے دیکھا، پھر مڑ کر دور جاتی حنہ کو۔''آپ کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا، وہ تو ان کرسیوں کا پوچھ رہی تھی، کہ وہ زرتاشہ ممانی کے جہیز کی ہیں نا۔''اس نے ان کرسیوں کی طرف اشارہ کیا جو وہاں رکھی تھیں جہاں ابھی احمر کھڑا تھا۔''مگر ماموں کہہ رہے تھے کہ انہیں نہیں یاد کہ وہ زرتاشہ کی ہوں، حنہ نے کہا کہ رہنے دیں وہ خود چیک کر لے گی۔آپ کو تو کچھ نہیں کہا۔''وہ حیران سا صفائی دینے لگا، اور احمر کے اوپر تو مانو ٹھنڈا پانی ڈال دیا کسی نے۔ جلدی سے غلط فہمی کی معذرت کرتا پلٹا تو تلملا رہا تھا۔

(یہ کیا چیز تھی؟)

☆☆☆☆☆☆☆☆

تُو بھی ہیرے سے بن گیا ہے پتھر

ہم بھی کل کیا سے کیا ہو جائیں گے

اگلی صبح جب جواہرات ڈائننگ ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ براجمان ناشتہ کر رہی تھی تو سامنے کھڑی فیونا نے جھکی آنکھوں مگر اٹھی گردن سے کہا۔

''اگر اسٹاف جائے گا تو میں بھی جاؤں گی مسز کاردار!''

گلاس سے گھونٹ بھرتے جواہرات نے آنکھیں اٹھائیں اور مسکرائی۔ پھر ٹیک لگا کر بغور اسے دیکھا۔

''تم فیونا ہو، مگر تم جواہرات کاردار نہیں ہو۔ تمہاری خواہش ہے کہ تم جواہرات ہوتی، مگر تم نہیں ہو۔ تو میں تمہیں پہلی اور آخری بار ایک بات بتاتی ہوں۔ سارے اسٹاف کو نکال کر تمہیں اس لئے رہنے دیا کیونکہ تم وفادار ہو، مگر... تم جانا چاہو تو چلی جاؤ، میں تمہارا پے چیک بنا دیتی ہوں۔ لیکن جاتے وقت تمہیں بونس اور وہ نیکلیس چھوڑنا پڑے گا جو تم نے میری ایجنیو سے چوری کروایا، اور جو میں نے بعد میں تمہیں دے دیا تھا۔''

فیونا نے نظریں اٹھائیں۔ ان میں تعجب تھا، اور فکرمندی بھی۔

''میں نے وہ آپ کے کہنے پہ چوری کروایا تھا میری سے!''

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ اتنا بڑا الزام۔ فیونا اگر یہ بات تم ہاشم کے سامنے کہو تو وہ کیا حال نہ کرے تمہارا؟ چچ چچ۔'' افسوس سے کہتے اس نے گلاس لبوں سے لگا لیا۔

فیونا برے دل سے پلٹ آئی۔ کچن کے قریب راہداری بیسمنٹ میں جاتی، جہاں ملازمین کے کمرے تھے۔ چھوٹے مگر صاف ستھرے کمرے۔ اس کے کمرے میں ایک سنگل بیڈ بچھا تھا، ایک سنگھار میز اور ایک الماری تھی۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی اور دراز سے وہ نیکلیس نکال کر گردن سے لگایا جو مسز کاردار نے اسے ایسٹر کی شام بڑی لاپرواہی سے دان کر دیا تھا۔

آئینے میں نظر آتے عکس میں ہیروں کی چمک سحر انگیز تھی۔ اس چمک میں اسے وہ گھنگریالے بالوں والا لڑکا یاد آیا جس کی جیب میں اس نے یہ نیکلیس پارٹی کے دوران ڈالا تھا۔ یقیناً اسی نے یہ مسز کاردار کو واپس کر دیا ہو گا۔ اور اب۔ یہ فیونا کا تھا۔

ملازموں کی ملکہ نے ہیروں سے جھلملاتے نیکلیس کو گردن پہ لگائے، چہرہ تن کر اٹھائے رکھا تو آنکھوں میں بھی وہی چمک ابھر آئی۔

کچھ دیر بعد وہ مسز کاردار کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھی۔

''نیا اسٹاف کس تاریخ سے رکھنا ہے میم؟ کیا میں بھی انٹرویو میں شامل ہوں گی؟''

''آف کورس!'' جواہرات مسکرائی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

مرے ہی لہو پر گزر اوقات کرو ہو

مجھ سے ہی امیروں کی طرح بات کرو ہو

ملاقاتی کمرہ آج بھی ویسا ہی تھا مگر ماحول میں تناؤ کا رخ اور تناسب بدل چکا تھا۔ اے ایس پی سرمد شاہ موجود نہیں تھا، اور بالآخر کئی دن بعد وہ دونوں نیاز بیگ سے تنہائی میں مل رہے تھے۔ وہ آگے ہو کر بیٹھا قدرے بے چین اور مضطرب لگتا تھا۔ ایک آنکھ سوجی تھی، کان تلے

زخم‘ ہونٹوں اور گردن پہ جما خون۔ زمر گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتے اوپر سے نیچے اس کے زخم دیکھ رہی تھی۔

’’میں نے اس کو گولی نہیں ماری تھی۔ میں....‘‘ وہ کہنے لگا تھا‘ مگر فارس غصے سے میز پہ ہاتھ مارتے ہوئے آگے ہوا۔ ’’بکواس مت کرو۔ میرے بھانجے کو تم نے مار کر پھینک دیا‘ اور اب تم اپنا بیان بدل رہے ہو۔‘‘

’’فارس! ریلیکس!‘‘ زمر نے نرمی سے اسے مخاطب کیا جو غصے سے نیاز بیگ کو گھور رہا تھا۔ ’’وہ بیان نہیں بدل رہا‘ میرا خیال ہے وہ ہمیں کچھ بتانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تم بولو نیاز بیگ میں سن رہی ہوں۔‘‘

’’پہلے مجھے بتائیں‘ میرے بولنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟‘‘ وہ زمر سے مخاطب ہوا تو اس کی آنکھوں میں بے چینی تھی۔

’’کیا مطلب تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟‘‘ وہ گویا کھول اٹھا۔ ’’مجھے پانچ منٹ مل جائیں تمہارے ساتھ‘ تم سے سب اگلوا لوں گا‘ اس لئے زیادہ فائدے نقصان کی باتیں مت کرو‘ کام کی بات پہ آؤ۔‘‘

’’فارس تم غصہ مت کرو‘ مجھے بات کرنے دو!‘‘ تحمل سے گویا اس کو سمجھاتی وہ نیاز بیگ کی طرف متوجہ ہوئی۔ فارس سر جھٹک کر‘ پیچھے ہو کر بیٹھا اور تندہی سے اس کو دیکھنے لگا۔

’’میں تمہیں وعدہ معاف گواہ بنا لوں گی‘ تم اس کیس سے بھی نکل جاؤ گے‘ اور شہزا ملک کے کیس سے بھی۔ میں سرکاری پراسیکیوٹر نہیں ہوں مگر سعدی یوسف کیس میں پراسیکیوٹر میں ہی ہوں‘ سو مجھے بتاؤ‘ ہر بات جو تم جانتے ہو۔‘‘

’’شہزا ملک کیس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ رہا تمہارے لڑکے کا قتل... تو وہ قتل نہیں ہوا۔‘‘ وہ بے بسی بھرے اضطراب سے بولنے لگا۔

’’اکیس مئی کی رات مجھے اے ایس پی نے فون کیا‘ اور ہسپتال بلایا‘ پھر اس سرجن بخاری کے پاس لے گیا‘ بولا کہ یہ لڑکا غائب کرنا ہے‘ مگر جب آپریشن ہو جائے اور اس کی حالت خطرے سے باہر آ جائے‘ تب! ان کو وہ زندہ چاہیے تھا۔ ساتھ یہ بھی کہا کہ کچھ ماہ کے لئے اس لڑکے کے قتل کے جرم میں اندر جانا ہوگا‘ پھر ہم تمہیں نکلوا لیں گے۔‘‘

’’بدلے میں کیا دیا؟‘‘

’’پیسے....اور میرے بھائی علیم بیگ کے اوپر کیس ختم کرنے کی یقین دہانی کروائی۔ میرا بھائی ابھی تک مفرور ہے‘ پچھلے سال اسمگلنگ کی وجہ سے...خیر...میں نے وہی کیا۔ جو میرے ساتھ دوسرا وارڈ بوائے تھا‘ وہ ان کا اپنا لڑکا تھا‘ ہم تمہارے لڑکے کو اسٹریچر پہ باہر لائے‘ ایمبولینس میں ڈالا‘ اندر سب تھا‘ مشینیں‘ ڈاکٹر‘ نرس۔ خیر میں وہیں سے گھر چلا گیا۔ اے ایس پی نے کہا کچھ دن چھپ جاؤ‘ پھر پکڑ لیں گے تمہیں۔ یہاں تک سب ٹھیک ہو گیا‘ مگر اس روز اس نے مجھے شہزا ملک کے کیس میں پھنسا دیا۔ اس نے مجھے وہاں بلوایا اور پھر گرفتار کرا لیا۔ یہ سب اے ایس پی نے کیا ہے۔‘‘ چند گہری سانسیں لیں‘ ذرا توقف کیا‘ اور پھر باری باری ان دونوں کو دیکھا جو خاموشی سے سن رہے تھے۔

دفعتاً زمر اٹھ گئی۔ فارس بھی کھڑا ہوا۔ نیاز بیگ نے چہرہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔

’’مجھے کب گواہی دینی ہوگی؟‘‘

''کون سی گواہی؟'' زمر نے ساتھ ہی پرس کندھے پہ ڈالا۔

''ابھی...تم نے کہا وکیل صاحبہ کہ تم مجھے وعدہ معاف گواہ بنا لو گی اور....''

''میں نے کب کہا؟'' زمر نے تعجب سے فارس کو دیکھا۔

''نیاز بیگ....'' وہ میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کر جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''جو آدمی اپنا بیان اتنی دفعہ بدلے' اس پہ ہم یقین نہیں کر سکتے۔ تم ہی قاتل ہو' ہمیں معلوم ہے۔''

نیاز بیگ ایک دم ششدر رہ گیا تھا۔

''اور اے ایس پی ہمارا دوست ہے' اس نے ہمیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تم یہ سب کہو گے' اس لئے....دوبارہ ہم سے ملنے کی درخواست کرنے کی زحمت مت کرنا۔'' زمر نے کہا اور وہ دونوں باہر کی طرف بڑھ گئے۔ پیچھے وہ بے اختیار اٹھ کر مضطرب سا چلا رہا تھا۔ ''میری بات سنو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں....سرمد شاہ نے کروایا ہے یہ سب....'' مگر وہ باہر نکل آئے۔ دروازے پہ زمر رکی اور اس کی طرف مڑی۔ غور سے اس کو دیکھا۔

''آج اپنی ہیل نہیں ماری آپ نے میرے پاؤں پہ؟''

''اس کی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے سمجھ آ گیا تھا کہ تم کیا کر رہے تھے۔'' وہ دبی آواز میں بولی۔ ''جب ہم ہسپتال سے فوٹیج نکلوانے گئے تھے' اور جب پہلی دفعہ ہم نیاز بیگ سے ملنے آئے تھے تو مجھے واقعی تمہارے غصے سے کوفت ہوئی تھی' مگر تم Good Cop , Bad Cop کھیل رہے تھے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی کہہ رہی تھی۔ (مشہور زمانہ اور قدیم تفتیشی حربہ جس میں مجرم کے سامنے ایک آفیسر غصے سے بات کرتا ہے' دھمکیاں دے کر ڈراتا ہے' اور دوسرا نرمی سے بات کر کے ہمدردی لیتا ہے تاکہ اگر مجرم خوف کا شکار نہ ہو تو ہمدردی کا نشانہ ضرور بن جائے۔) ''تمہیں معلوم تھا کہ میں فوٹیج نکلواؤں گی' تم صرف میرے لئے چیزیں آسان کر رہے تھے' مگر یو نو واٹ فارس' اگلی دفعہ کچھ کرنے سے پہلے مجھے آگاہ کر دینا۔''

''اچھا؟ میں سمجھا آپ کو پہلے سے معلوم ہو گا۔ کیونکہ آپ کو تو میرے ہر جرم کی خبر ہوتی ہے۔'' اس کی طرف جھک کر ہلکا سا کہا' اور پھر آگے بڑھ گیا۔ اس کے اندر ابال سا اٹھا مگر ضبط کر کے پیچھے آئی۔

''اس نے وہی کیا جو آپ نے کہا تھا۔ سارا ملبہ آپ پہ ڈال دیا۔ اور اس ڈاکٹر پہ بھی۔'' اے ایس پی کے پاس رخصت ہوتے وقت وہ کہہ رہی تھی۔ سرمد شاہ نے گہری سانس لی۔ تنے اعصاب ڈھیلے چھوڑے۔ ''مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اس کا یقین نہیں کیا۔''

''شاہ صاحب' ہم نے اتنا عرصہ ساتھ کام کیا ہے' یہاں روز بیان بدلے جاتے ہیں' پھر اس کی باتوں کی کس کو پرواہ ہو گی؟'' شانے اچکا کر کہتی وہ پرس کی اسٹریپ کندھے پہ ڈال رہی تھی۔ جیبوں میں ہاتھ دیے کھڑے فارس کا مسلسل گم چباتا منہ رکا' اور اس نے آنکھیں تیکھی کر کے اے ایس پی کو دیکھا۔

''سنو دوبارہ ہمیں یہاں نہ بلانا' کیونکہ تمہارے اس کرائے کے غنڈے کی بک بک سن کر میرا دماغ گھوم جاتا ہے' اس کا بھائی تمہارے ساتھ کیا کرے گا' مجھے پرواہ نہیں' لیکن اگلی دفعہ اس نے اپنے بھائی کی دھمکی میرے خاندان کے لئے دی' تو یہ حوالات سے جیل کا آدھا راستہ بھی نہیں پہنچ پائے گا۔'' درشتی سے کہتا وہ آگے بڑھ گیا۔ سرمد شاہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اس کے بھائی کا کیا ذکر؟''

''مجھے نہیں پتہ' کسی علیم بیگ کے نام کی دھمکی دے رہا تھا کہ وہ ہمیں، اے ایس پی، اور ڈاکٹر کو دیکھ لے گا وغیرہ وغیرہ۔ واٹ ایور!'' وہ موبائل پہ کچھ ٹائپ کرتی باہر نکل گئی۔ سرمد شاہ پر سوچ نظروں سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

ہم کو جو ملا ہے، وہ تم ہی سے تو ملا ہے

ہم اور بھلا دیں تمہیں، کیا بات کرو ہو؟

اس رات جب آسمان سیاہی سے ڈھک گیا اور سڑکیں جگمگاتی ٹریفک لائٹس سے روشن ہو گئیں تو ایک پرائیوٹ کلینک کے کمرے میں ڈاکٹر توقیر بخاری کے سامنے وہ دونوں بیٹھے تھے۔ ڈاکٹر توقیر سرمئی قلموں اور تراشیدہ مونچھوں والے درمیانی عمر کے شخص تھے اور اس وقت عینک کے پیچھے آنکھیں سکیڑے وہ دعوت نامہ پڑھ رہے تھے جو زمر نے ان کو دیا تھا۔

''میموریل ڈنر اگلے ہفتے ہے۔ سعدی کے دوستوں نے ارینج کیا ہے۔ چونکہ آپ نے اس کی جان بچائی تھی تو میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنی پوری فیملی کے ساتھ آئیں' اور ہمارے ساتھ کچھ وقت اسے یاد کرنے میں گزاریں۔'' وہ نرمی اور امید سے کہہ رہی تھی۔ فارس خاموش بیٹھا ان کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

انہوں نے نگاہیں اٹھائیں' اداسی سے مسکرائے۔ ''ہم ضرور آئیں گے اور مجھے بہت افسوس ہے آپ کے بھتیجے کے لئے۔ کیا آپ لوگوں کی کسی سے دشمنی تھی؟'' وہ دعوت نامہ لفافے میں ڈالتے سادگی سے پوچھ رہے تھے۔

زمر نے گود میں رکھی مٹھیاں سختی سے بھینچ لیں' آنکھوں میں تپش سی اٹھی' مگر پھر بظاہر یاسیت سے مسکراتے نفی میں سر ہلایا۔

''چند پیسوں کے لئے ایک شخص نے اسے مار کر لاش پھینک دی۔ ہم آج اسی کو ملنے گئے تھے' اس نے اپنا بیان بھی تبدیل کر دیا۔ لوگ پیسوں کے لئے کس حد تک چلے جاتے ہیں۔ ہے نا ڈاکٹر صاحب؟''

''بالکل' آئی ایگری!'' افسوس سے وہ سر ہلا رہے تھے۔ ''خدا کرے جو قاتل پکڑا گیا ہے' وہ اپنے انجام کو پہنچے۔''

''خدا کرے سب اپنے انجام کو پہنچیں۔'' وہ نظریں جھکائے ہلکا سا بولا تھا۔ ڈاکٹر توقیر کو کمرے میں ایک دم آکسیجن کی کمی محسوس ہونے لگی۔ زمر کو دیکھتے بات کا رخ بدلا۔

''اے ایس پی صاحب کا مجھے فون آیا تھا' وہ کہہ رہے تھے نیاز بیگ پولیس اور ہسپتال انتظامیہ کو موردِ الزام ٹھہرا رہا ہے۔''

''پولیس؟'' زمر نے تعجب سے انہیں دیکھا۔ ''پولیس نہیں' صرف آپ کا ذکر کیا تھا۔''

''مسز زمر! میرا یا ہسپتال کا اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں ہے میں آپ کو یقین دہانی کرواتا ہوں۔'' سینے پہ ہاتھ رکھ کر وہ فکر مندی سے کہہ رہے تھے۔

''آف کورس ہمیں پتہ ہے' بلکہ جب اے ایس پی صاحب نے کہا بھی کہ ہم ایف آئی آر میں کوئی اور نام درج کروانا چاہتے ہیں' تو ہم نے....' فارس کی طرف تائیدی نظروں سے دیکھا.... ''انکار کر دیا۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ نیاز بیگ جھوٹ بول رہا ہے۔''

''اے ایس پی نے آپ سے... میرا نام ایف آئی آر میں ڈالنے کا پوچھا؟'' انہوں نے بروقت فقرہ پکڑا تھا۔

''نہیں' انہوں نے صرف کسی اور نام کا پوچھا تھا۔ دیکھیں وہ ہمارے بہت اچھے دوست ہیں' وہ صرف انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے ہمیں ہمارے تمام حقوق دے رہے تھے' خیر... آپ میموریل پہ ضرور آیئے گا' ہماری فیملی اور فرینڈز آپ کے اس جیسچر کی بہت قدر کریں گے۔'' وہ چائے کا آخری گھونٹ بھرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

فارس بھی اٹھا، ڈاکٹر توقیر کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا' جسے انہوں نے کھڑے ہوتے ہوئے تھاما۔ البتہ ان کے پرسکون تاثرات میں اضطراب تھا۔ وہ الوداعی کلمات کہتے ہوئے خاصے ڈسٹرب تھے۔

اور اسی لمحے دروازہ کھلا۔ فارس کی اس طرف پشت تھی مگر ایک مانوس سی آہٹ سنائی دی تھی۔ انگوٹھی کے نگینے سے دستک دینے کا انداز۔ زمر مڑی۔

اندر آنے والی عورت ذرا بھرے چہرے اور بوٹے قد کی حامل تھی' بال کیچر میں بندھے تھے' دلکش شخصیت' بہترین لباس' کانوں میں ٹاپس۔ دونوں ٹاپس میں ایک، ایک موٹا سا Solitaire ڈائمنڈ جڑا تھا۔ وہ جھلملاتے ٹاپس اتنے خوبصورت تھے کہ اس عورت کی شخصیت کو کئی گنا مزید نکھار گئے تھے۔

''یہ میری وائف ہیں' ڈاکٹر ایمن.... یہ مسز زمر.... اور....''

فارس نے آہستہ سے گردن موڑی۔ ڈاکٹر توقیر کے الفاظ کنویں میں گونجتی آواز کی مانند دور دور تک سنائی دے رہے تھے' لمحوں کے لئے ساری دنیا ساکن ہو گئی تھی۔ اور مسکراتی ہوئی ڈاکٹر ایمن قریب آ رہی تھیں۔ اس نے اس عورت کے ہلتے لب دیکھے' وہ زمر سے کچھ کہہ رہی تھی' تعارف پھر تعزیت بھرے الفاظ.... آوازیں بند ہو چکی تھیں... پھر ڈاکٹر ایمن نے چہرہ اس کی طرف موڑا' اس کی آنکھوں میں جھانکا' مسکرائی اور ہاتھ سے اس کے کندھے کو ہلکا سا تھپتھپایا۔ جیسے کسی پرانے مریض بچے سے عرصے بعد اس کا ڈاکٹر مل رہا ہو۔ اس کی انگوٹھی کے اندر کی طرف کوئی نوکیلی شے تھی جو فارس کے کندھے پہ چبھی تھی... اور وہ چبھن...... بہت کچھ تازہ کر گئی... اس کے اردگرد کا منظر بدلا۔ کمرہ بدلا۔ کیلنڈر بدلا۔ ساڑھے تین سال قبل وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا اور ڈاکٹر ایمن چلتے ہوئے اس کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔

''میرے مریض میرے بچوں کی طرح ہیں۔'' اس کے کندھے کو تھپکا۔ انگوٹھی چبھی تھی۔ فارس نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

''نہ میں آپ کا مریض ہوں' نہ آپ کا بچہ۔ میرا نام فارس غازی ہے۔''

''اور میں ڈاکٹر ایمن بخاری ہوں...'' مسکرا کر نرمی سے کہتی وہ سامنے کرسی پہ جا بیٹھی۔

''مجھے کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت نہیں ہے' ڈاکٹر ایمن' اور مجھے پتہ ہے کورٹ مجھے کیوں ان سیشنز پہ مجبور کر رہی ہے۔ اگر آپ کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس طرح میں ان جرائم کا اعتراف کرلوں گا' جو میں نے نہیں کیے' تو آپ اپنے فیکٹس درست کرلیں۔'' وہ ٹیک لگائے بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے خشک سا کہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ زخموں کے نشان تھے اور ایک ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی۔

''تمہارے خیال میں اس کا مقصد صرف Confession کروانا ہے؟ اونہوں!'' نفی میں سر ہلایا۔ ''Confession وہ واحد ''C'' ہے جس کا میرے اور تمہارے ریلیشن شپ سے کوئی تعلق نہیں۔ تمہیں معلوم ہے پنجاب پرزن کے چار 'C' کون سے ہیں؟''

وہ کچھ نہیں بولا۔ چپ چاپ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتا رہا۔

''کسٹڈی.....'' وہ نرمی سے کہنے لگیں۔ ''کیئر.... کنٹرول اور Correction! ہم یہاں انہی کے لئے ہیں۔ میں تمہاری طرف کی کہانی سننا چاہتی ہوں' تا کہ تمہاری ذہنی حالت متوازن رہے۔'' وہ نوٹ پیڈ سامنے رکھے قلم کھول رہی تھی۔ ''تم جو بھی کہو گے' وہ ڈاکٹر پیشنٹ privilige کے تحت محفوظ رہے گا۔''

''میں پنجاب پرزن کے چار 'C' جانتا ہوں' کیا آپ Confidentiality کے پانچ 'C' جانتی ہیں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا پوچھ رہا تھا....

''ہاں' وہ پانچ ''سی'' جن کے تحت پریویلج توڑا جا سکتا ہے۔ consent, court order, comply with the law, continued treatment and communicate a threat."

(مریض کی اجازت، کورٹ کا حکم، قانون کی پاسداری کے لیے، مریض کے علاج کے لیے ناگزیر ہونا، یا مریض کی طرف سے دوسروں کو خطرہ ہونے کی صورت میں سدباب کے لیے۔ ان میں سے کسی وجہ کی بنا پہ سائیکاٹرسٹ کسی کو اپنے مریض کی بات بتا سکتا ہے، ورنہ نہیں۔)

''کیسے ہو فارس غازی!'' انگوٹھی کی چبھن لوٹی اور ارد گرد کا منظر بدلا۔ ماضی تحلیل ہوا اور وہ حال میں' ڈاکٹر ایمن کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ عادتاً اس کا کندھا تھپک کر ہاتھ نیچے گرا چکی تھی۔ ایسی عادت عام طور پہ اس معاشرے کی خواتین ڈاکٹرز میں نہیں ہوتی مگر وہ عورت عام نہیں تھی۔

''آپ....'' اس نے سوالیہ نظروں سے باری باری دونوں میاں بیوی کو دیکھا' آنکھوں میں الجھن ابھری۔

''میں ڈاکٹر توقیر کی بیوی ہوں۔''

''اوہ!'' اس کے لب سکڑے۔

''آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟'' زمر نے بظاہر خوشگوار حیرت سے فارس کو دیکھا' آنکھوں ہی آنکھوں میں گھورا بھی۔ (کتنا اداکار ہے یہ' اور ہاشم کہتا تھا' اسے اداکاری نہیں آتی۔)

''یہ....ڈاکٹر ایمن ہیں....میری...'' فارس نے ڈاکٹر ایمن کو دیکھا' آواز ٹوٹ سی گئی...

''میں فارس کی ڈاکٹر رہی ہوں اور اس کے بھائی کی بھی' اور بد قسمتی سے مجھے اپنے پیشنٹ کے خلاف کورٹ میں گواہی دینی پڑی۔'' وہ اداسی سے مسکرائیں۔

''اوہ۔تم تو ان سے بہت خفا ہو گے اس کے لئے۔'' زمر کی آنکھوں میں فکر مندی ابھری۔

''ایسا نہیں ہے' ڈاکٹر ایمن نے میرا بہت ساتھ دیا ہے جیل کے وقت میں' ان دنوں میں ذہنی طور پہ متوازن نہیں تھا اس لئے ان کو کورٹ کو میری ذہنی حالت کے بارے میں بتانا پڑا' انہوں نے جو کیا' اچھا کیا۔'' وہ مدافعانہ انداز میں زمر کو کہنے لگا۔

''مسز غازی' فارس صحیح کہہ رہا ہے' اس وقت اس کے لئے یہ ضروری تھا۔'' پھر نرمی سے اس کو دیکھا۔''اب کیسے ہو تم؟''

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے اسی نرمی سے جواب دیا۔''کورٹ نے مجھے بری کر دیا' میں نے اپنے کیے کی سزا کاٹ لی' زمر نے مجھے معاف کر دیا' ہم نے شادی کر لی' I Moved on!'' (زمر کے تو سر پہ لگی تلووں پہ بجھی' مگر کچھ کرنے سے قاصر تھی۔)

''مجھے بہت خوشی ہوئی تم سے مل کر فارس!''

''مجھ سے زیادہ نہیں ہوئی ہو گی۔'' وہ بظاہر مسکرایا۔ سینے میں کوئی زور سے اسے جکڑ رہا تھا' مگر وہ پر سکون نظر آ رہا تھا۔

''آپ کے ٹاپس بہت خوبصورت ہیں!'' جاتے ہوئے زمر نے تعریف کی۔ ڈاکٹر ایمن مسکرائی۔

''تو قیر نے لاسٹ منتھ اینورسری کا گفٹ دیا ہے۔ مرد عموماً اپنی محبت کا اظہار ہیروں سے کیا کرتے ہیں۔ ہے نا' فارس؟'' مسکرا کر فارس کو دیکھا' اس کی گردن میں گلٹی سی ابھری۔ مگر بولا کچھ نہیں۔ ڈاکٹر ایمن نے زمر کے ہاتھوں کو دیکھا۔

''آپ کی تو ابھی شادی ہوئی ہے' مگر آپ نے کوئی ڈائمنڈ نہیں پہنا ہوا۔''

کمرے میں لمحے بھر کی طویل خاموشی چھائی۔

''مجھے چمکتے پتھروں میں کوئی کشش نہیں نظر آتی!'' بس مسکرا کر اتنا کہہ پائی۔

''زمر نے مجھے معاف کر دیا' ہم نے شادی کر لی' واؤ!'' باہر کار کی طرف جاتے وہ استہزائیہ انداز میں دہرا رہی تھی۔

''مجھے اس کو یقین دلانا تھا کہ میں موو آن کر چکا ہوں۔'' وہ چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ زمر گھوم کر اس کے سامنے آئی اور تیز نظروں سے اسے گھورا۔ وہ رک گیا۔

''تم نے اسی لئے مجھ سے شادی کی' ہے نا؟ تاکہ تم ساری دنیا کو یقین دلا دو کہ تم موو آن کر چکے ہو؟ نئی زندگی شروع کر چکے ہو' کون بے چارے فارس غازی پہ شک کرے گا اب؟'' وہ دونوں پارکنگ لاٹ میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''آپ سے شادی کرنے کے لئے میرے پاس تین وجوہات تھیں۔ پہلی' آپ کے والد کے احسان ہیں مجھ پہ' ان کو انکار نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری میں شادی کر کے واقعی سب کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ میں آگے بڑھ چکا ہوں۔''

''اور تیسری؟'' فارس کی نظریں اس کی خفا آنکھوں سے ہوتیں، ناک پہ پھسلیں۔ رخ موڑ گیا۔

''میں آپ کے آگے جواب دہ نہیں ہوں' کیونکہ اس شادی کے معاملات آپ نے شروع کیے تھے میں نے نہیں!'' اور ایک طرف سے نکل کر کار کی طرف بڑھ گیا۔

اندر کلینک میں ڈاکٹر توقیر کمرے کا دروازہ بند کر کے ناراضی سے ڈاکٹر ایمن کی طرف گھومے۔

تمہیں بتایا تھا میں نے کہ وہ آ رہے ہیں' پھر یہاں اس وقت آنے کی کیا ضرورت تھی؟'' ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے' وہ ماتھے کا پسینہ صاف کر رہے تھے۔ ڈاکٹر ایمن سامنے کرسی پہ بیٹھی لاپرواہی سے ناک سے مکھی اڑائی۔

''اس کو آج نہیں تو کل پتہ چلنا ہی تھا کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔''

''وہ چار سال جیل میں رہا ہے' تم نے اس کی ضمانت نہیں ہونے دی' وہ تھوڑی دیر میں دو جمع دو کر لے گا' پھر کیا وہ یہ نہیں سوچے گا کہ اتفاق سے تمہارے ہی شوہر نے اس کے بھانجے کا آپریشن کیوں کیا ہے؟''

''ریلیکس! میں اس کو جانتی ہوں' اس کا چہرہ پڑھ سکتی ہوں' میں اپنے کام میں بہت اچھی ہوں' مجھے اندازہ تھا کہ کبھی نہ کبھی وہ جیل سے ضرور نکلے گا' یا بھاگے گا' اس لئے میں نے اس کو ایسے برین واش کیا تھا کہ وہ میرے خلوص پہ کبھی شک نہیں کرے گا۔ نہ آج' نہ کل۔ چار سال جیل میں رہا ہے، اب کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جو اسے دوبارہ جیل بھجوائے۔'' گریبان میں اڑسی سن گلاسز اتار کر ان کو وہ اب بیگ میں ڈال رہی تھی۔

''ایمن... ایمن!'' وہ متفکر اور پریشان سے ان کے سامنے آ بیٹھے۔ ''ہم نے ان کا بھانجا غائب کروایا ہے' اور وہ جعلی وارڈ بوائے ہمارا نام لے رہا ہے' کھلم کھلا۔''

''ڈونٹ وری' سرمد شاہ اسے سنبھال لے گا۔ یہی وقت ہے' جب ہم اس سے مزید ڈیمانڈز منوا سکتے ہیں' ورنہ ہم کسی بھی وقت کہہ سکتے ہیں کہ پولیس نے ہمیں مجبور کیا یہ سب کرنے کے لئے۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

ڈاکٹر توقیر نے سر جھٹکا' آستین سے پیشانی کا پسینہ صاف کیا۔

''وہ کسی کا بیٹا تھا' ہمارے بھی تین بچے ہیں' ہم نے اس کی زندگی داؤ پہ لگا دی۔''

''تمہیں ان ہزاروں لوگوں کی زندگیوں کے بارے میں سوچنا چاہیے توقیر جو ہم اپنے ہاسپٹل سے بچائیں گے' صرف دو ماہ رہتے ہیں اس ہسپتال کی اوپننگ میں جس کے لئے میں نے اور تم نے پچھلے کئی سال کام کیا ہے۔ سرمد شاہ نے فارس کے خلاف گواہی دینے کے لئے کیا دیا تھا ہمیں؟ صرف پلاٹ کا قبضہ۔ اس کے اوپر ہر چیز ہم نے خود لگائی ہے۔ اس لئے تم سرمد شاہ سے بات کرو اور اس سے کہو، ہماری ڈیمانڈز پوری کریں!'' وہ دونوں گفتگو کر رہے تھے اور باہر رات قطرہ قطرہ پگھلتی جا رہی تھی، سب کے گناہوں کو چھپائے، سب کے پردے ڈالے!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جب عشق تجھے راس نہیں ہے تو مرے دل

ہونا تھا یہی حال ترا بارِ دگر بھی

یہ تین دن بعد کا ذکر ہے۔

رات کی تاریکی اس زیر تعمیر گھر پہ بھی چھائی تھی۔ پورچ میں خون کا تالاب بہہ رہا تھا' اس پہ وہ گھنگریالے بالوں والا لڑکا اوندھا گرا تھا' اور نوشیرواں جا بجا بوٹ سے اسے ٹھوکریں مار رہا تھا۔ پھر تھک کر وہ رکا۔ ایک استہزائیہ نظر اس بے سدھ وجود پہ ڈالی اور جانے کے لئے مڑا۔ اسی پل وہ اوندھا لڑکا سیدھا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ خون سے اور آنکھیں نفرت سے سرخ تھیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے نوشیرواں کو بالوں سے پکڑا اور زور سے اس کا سر دیوار سے دے مارا۔ وہ درد سے چیخا... اور....

ایک جھٹکے سے وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرہ خاموش پڑا تھا' اے سی کی ٹھنڈک کے باوجود نوشیرواں کا پورا جسم پسینے میں بھیگا تھا' دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا' بتی جلائی' پانی کی بوتل لرزتے ہاتھوں سے لبوں سے لگائی' پانی کچھ اندر انڈیلا' کچھ بیڈ پہ چھلکا۔ چند گھونٹ بھر کر وہ گہرے سانس لیتا ٹیک لگا کر بیٹھا۔ (بھول جاؤ اس کو شیرو' یہ صرف ایک خواب تھا۔ سعدی کبھی واپس نہیں آئے گا۔) آنکھیں بند کیے وہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب ان ڈھائی ماہ میں اس نے سعدی کو خواب میں دیکھا تھا۔ ڈھائی ماہ ہو گئے سعدی کو کھوئے؟ اس نے موبائل اٹھا کر تاریخ دیکھی۔ اگست کا وسط آ پہنچا تھا اور وہ ابھی تک ایکسیڈنٹ والے واقعے کو بھول نہیں پایا تھا۔ اف۔۔۔

نوشیرواں کے کمرے کے باہر سبزہ زار تاریک پڑا تھا۔ انیکسی کی بھی ایک دو کے سوا تمام بتیاں بجھی تھیں۔ اندر جھانکو تو لاؤنج میں نیم اندھیرا تھا۔ ایسے میں زمر تہہ خانے کی سیڑھیاں اترتے دکھائی دے رہی تھی۔

نیچے آ کر وہ رکی۔ ایک طائرانہ نگاہ کھلے تہہ خانے میں ڈالی۔ اس کی بتیاں جلی ہوئی تھیں۔ فرش پہ کچھ کاغذ بکھرے تھے' ان پہ ریاضی کے نمبرز اور پتہ نہیں کیا کیا لکھا تھا۔ دو لیپ ٹاپ کھلے تھے' اور حنین فرش پہ بیٹھی' ملگجے لباس اور گول مول بال باندھے' بے قراری سے ٹائپ کیے جا رہی تھی۔

''حنہ... تم سوئی کیوں نہیں ہو؟'' وہ فکرمندی سے کہتی قریب آئی۔ حنین ٹھک ٹھک ٹائپ کر رہی تھی۔ پچھلے ایک ہفتے سے اس کی یہی حالت تھی۔ کھانا' سونا' سب چھوڑ کر وہ دن رات یہیں بیٹھی اس یو ایس بی کو کھولنے کی کوشش کرتی رہتی۔

''پھپھو بھائی غلط تھا فائلز کرپٹ نہیں ہوئیں۔ بلکہ ہو گئی تھیں' مگر میں نے ری کور کر لیں۔ مجھے لگا یہ اسٹینڈرڈ 4096 Bit RSA Encryption ہو گی مگر یہ algorithm جس نے بھی فیکٹر کیا ہے' یہ مختلف ہے۔'' وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

''حنین!'' وہ اس کے سامنے دو زانو بیٹھی۔

''مگر مجھے سمجھ نہیں آ رہی اس میں مختلف کیا ہے' یہ آر ایس اے لگتا ہے' assymteric ہے' اس کی دو کیز ہونی چاہئیں' ایک پبلک اور ایک

پرائیوٹ مگر.....''

زمر نے فلیش لیپ ٹاپ سے کھینچ لی۔ وہ جو ہوش و حواس کھوئے انداز میں بولے جا رہی تھی' ہکا بکا سا سر اٹھایا۔ زمر نے فلیش کا کور چڑھا کر اسے پرے ڈالا پھر نرمی سے حنہ کو دیکھا۔

''یہ فلیش' اس کی فائلز' مجھے کچھ نہیں چاہیے' کچھ بھی اہم نہیں ہے حنہ' تم سے زیادہ نہیں۔'' حنین ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگی۔

''تم نے کہا تھا اگر سعدی کی جگہ تم کھو جاؤ تو میں کیا کروں گی؟ حنہ' تمہیں واقعی لگتا ہے کہ تم کھو نہیں چکی؟''

حنین کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے' آنکھوں میں پانی آ گیا۔

''میں کچھ نہیں کر سکتی۔ میں ایک Failure ہوں!''

''میں جس حنین کو جانتی ہوں وہ ایک سپر ہیرو تھی' جس نے شیرو کے اغوا کا پول کھولا تھا' مجھے آج بھابھی نے وہ قصہ سنایا..''

''میں بدل گئی ہوں!'' آنسو اس کے گال پہ لڑھکے۔ زمر آزردگی سے مسکرائی۔

''جس دنیا سے میں تعلق رکھتی ہوں' اس میں انسان نہیں بدلتے۔ بدل سکتے ہیں لیکن وہ نہیں بدلتے۔ صرف اپنے نقاب بدلتے ہیں' سو تم واقعی کچھ بھی نہیں کر سکتیں' اگر خود سے بھاگتی رہو گی۔''

''میرے اندر بہت سارا شر ہے۔'' اس نے سر جھکا دیا۔

''تم اس کو نہیں بدل سکتی۔ سو اس کو اپنی طاقت کیوں نہیں بنا لیتی؟'' ذرا دیر کو ٹھہری۔ گردن پھیر کر اس مقفل اسٹور روم کو دیکھا۔ پھر سر جھکا۔ ''مجھے دیکھو' میں بے جا ضدی اور ہٹ دھرم ہوں' جب اپنی فطرت نہیں بدل سکی تو یہ احساس ہوا کہ اگر میں ایسی نہ ہوتی تو پراسیکیوشن کی سیاسی کرسی پہ دو دن بھی نہ بیٹھ سکتی' سعدی کے مجرموں کے آگے گھٹنے ٹیک کر ان کو معاف کر چکی ہوتی' مگر اب... میری وہی بری چیزیں میرے کام آ رہی ہیں۔ تم بھی یہ کر سکتی ہو' مگر اس کے لئے تمہیں اس کیڑے کو باہر نکالنا ہو گا جو تمہیں اندر سے کھا رہا ہے۔''

تہہ خانے میں چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ پھر حنہ نے نگاہیں جھکا دیں۔ وہ دونوں آمنے سامنے فرش پہ بیٹھی تھیں۔

''آپ مجھ سے نفرت کریں گی!''

''ٹرائی می!'' ذرا توقف کیا۔ جیسے کوئی راہ نکالی۔ ''آج ہم ایک دوسرے سے باری باری سچ بولتے ہیں۔ پہلے میں بولوں گی!''

حنہ نے اثبات میں سر ہلایا' پھر خود ہی بولی۔ ''مجھے پتہ ہے آپ بھائی کی فیس دیتی تھیں' مجھے ماموں نے بتایا تھا' اس رات جب امی سے لڑائی کے بعد آپ جنگل میں چلی گئی تھیں۔'' نگاہیں جھکا دیں۔ ''آئی ایم سوری۔'' زمر نے نفی میں سر ہلایا۔

''ہم یہاں سوری اور تھینک یوز کے لئے نہیں بیٹھے۔ سچ بولنے بیٹھے ہیں۔'' (ماموں کی طبیعت تو وہ بعد میں صاف کرے گی!) اس کے سامنے فرش پہ بیٹھی' دوپٹہ انگلی پہ لپیٹتے کہہ رہی تھی۔ ''میرا سچ یہ ہے کہ میں نے فارس کے رشتے سے انکار نہیں کیا تھا' امی نے کیا تھا' مجھے اس رشتے کی خبر اس دن تمہارے منہ سے ہوئی' اور مجھے لگا فارس نے مجھ پہ گولی انتقاماً چلائی تھی۔'' زمر نے آنکھیں بند کیں۔ تکلیف پھر سے

عود آئی تھی۔" اسی لئے میں نے اس سے شادی کی اس سے انتقام کے لئے، مگر میں اس کو کوئی مادی نقصان نہیں پہنچا سکی، کیونکہ میں نے سعدی سے وعدہ کیا تھا کہ اسے ہرٹ نہیں کروں گی۔" آنکھیں کھولیں۔ اداسی سے مسکرائی۔ حنہ بالکل شل اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے شک تھا مگر اس نے اتنا سب کچھ نہیں سوچا تھا۔

"اب تمہاری باری!"

حنین نے نگاہیں جھکا دیں۔ "میں ہاشم سے بات کرتی ہوں، ٹیکسٹ پہ، کال پہ۔ میں ان کی محبت میں مبتلا ہو چکی ہوں، اور یہ دن بدن جان لیوا ہوتی جا رہی ہے۔" بہت دیر بعد نظریں اٹھائیں تو زمر اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔ نہ کوئی ملامت، نہ حیرت۔

"تم اس سے شادی کرنا چاہتی ہو، یا تم یہ تعلق ختم کرنا چاہتی ہو؟"

"میں اسے ختم کر دوں گی، مجھے پتہ ہے ہم کبھی شادی نہیں کر سکتے۔ انہوں نے مجھ سے اس فلیش کے بارے میں جھوٹ بولا جب سے میں نے ان سے بات نہیں کی۔ میں بہت ڈسٹرب ہوں۔" آنسو ابل ابل کر اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ زمر نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"تمہیں اس کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ مگر تم جو بھی فیصلہ کرو گی، میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔" اس نے نرمی سے حنہ کا ہاتھ دبایا۔ کوئی غصہ، کوئی ڈانٹ، کچھ بھی نہیں۔ حنہ آنسوؤں کے درمیان مسکرائی۔ "آپ کی باری!"

"ویل..." زمر نے گہری سانس لی اور سر جھکایا۔ فرش پہ انگلی سے لکیر کھینچی۔ "مجھے سعدی کے لیپ ٹاپ سے جو پکچرز ملیں، وہ میں نے فارس کو نہیں دکھائیں، وہ پکچرز فارس نہیں لے سکتا، ایسی پکچرز Trophy collector لیتے ہیں۔ (وہ قاتل جو اپنے شکار سے وابستہ کوئی شے اپنے پاس رکھتے ہیں۔) اس لئے میں ان کی تحقیق کروا رہی ہوں، مگر حنین میں بہت ڈسٹرب ہوں۔ اتنے سالوں بعد اگر وہ بے گناہ نکل آیا... تو مجھے یہ چیز مار ڈالے گی۔" اس کی آنکھوں میں کرب اترا۔ "پتہ ہے کیا، میرا ایک حصہ چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ نہ نکلے۔ مگر دوسرا حصہ سچ جاننا چاہتا ہے!" چند گہرے سانس لے کر اس نے خود کو نارمل کیا، پھر حنہ کی طرف دیکھا۔ "تمہاری باری!"

حنین فارس کے حق میں کچھ کہنا چاہتی تھی مگر رک گئی۔ وہ جج کرنے کا وقت نہیں تھا۔ پھر اس نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی۔

"میں نے کسی کی جان لی ہے۔" پھر زمر کے تاثرات دیکھے۔ وہ متوجہ تھی۔ "میں سن رہی ہوں۔"

"میرے بورڈ کے اوسی پی میری فرینڈ کے ابو تھے..." وہ کہتی گئی، ساری تفصیل، ساری باتیں سناتی گئی... "اور جب میں ان کو بلیک میل کر رہی تھی تو پھپھو میں اپنی لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی، شاید میں زمر بننے کی کوشش کر رہی تھی، مگر میں غلط تھی۔ آپ بہت سے لوگوں کو بلیک میل کر سکتی ہیں، مگر چیٹنگ جیسے کام کے لیے..." پہلے دن سے لے کر ان کی موت تک اس نے سارا واقعہ سر جھکائے کہہ سنایا۔ وہ ٹوٹی بکھری نظر آ رہی تھی۔ بار بار آنسو پونچھتی۔ پھر نگاہیں دھیرے دھیرے اٹھائیں۔ اب زمر اسے کیا کہے گی؟ "تم ایسی شرمناک حرکت کیسے کر سکتی ہو حنہ؟" وہ یوں چلائے گی؟ یا وہ نرمی سے کہے گی۔ "تم نے معافی مانگ لی، توبہ کر لی جو ہوا ہے اسے بھول جاؤ۔" مگر زمر کچھ نہیں

بولی۔حنین کی آنکھوں میں بے قراری ابھری۔

''پلیز کچھ تو کہیں۔کیا سوچ رہی ہیں آپ؟'' آنسو پھر سے ٹپکنے لگے۔

''تمہیں سن کر افسوس ہوگا۔''

''نہیں میں سن لوں گی' آپ کہیں' جو بھی آپ کے دل میں ہے۔'' گیلے چہرے کے ساتھ وہ بولی۔وہ واقعی تیار تھی۔

''حنہ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ تمہاری کہانی بہت کمزور ہے۔''

''جی؟'' حنہ کا ہکا بکا منہ کھل گیا۔آنسو رک گئے۔

''یا تو تم مجھے پوری بات نہیں بتا رہی ہو' یا پھر تمہاری کہانی میں بہت سے جھول ہیں۔''

''میں ....میں سب سچ بتا رہی ہوں' آئی سوئیر!'' وہ حیران تھی۔

''مجھے پتہ ہے تم سچ کہہ رہی ہو مگر مجھے یہ بات نا قابل ہضم لگ رہی ہے کہ ایک اوسی پی' جو اتنے سال سے اس پوسٹ پہ تھے' انہوں نے تمہارے چند فقرے سن کر' گھٹنے کیسے ٹیک دیے؟''

''کیونکہ میں نے بتایا نا' میری ویڈیو والی دھمکی سے ان کی فیملی....''

''حنین ساری دھمکیاں فیملی سے ہی شروع ہوتی ہیں۔اوسی پی صاحب کو اتنے برسوں میں کیا کبھی کسی نے دھمکایا نہیں ہوگا؟ یا پیسوں کا لالچ نہیں دیا ہوگا؟ ایسی پوسٹ پہ موجود لوگ بہت ٹرینڈ اور تجربہ کار ہوتے ہیں' ان کو بلیک میل کو ٹیکل کرنا اچھے سے آتا ہے' اور تمہارے بقول وہ بہت ایماندار بھی تھے' تو انہوں نے اتنی آسانی سے تمہیں پیپرز کیسے دے دیے؟ ایک ادھیڑ عمر کا سرکاری آفیسر' ایک اٹھارہ سالہ بچی کے آگے چند منٹ میں ڈھیر کیسے ہو سکتا ہے؟''

''بھائی نے بھی یہی کہا تھا مگر بھائی کا کہنا تھا کہ وہ بزدل تھے' ان کو اللہ پہ بھروسہ کرنا چاہیے تھا اور....'' وہ الجھن سے کہہ رہی تھی۔زمر نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''سعدی کو تو رہنے دو۔وہ تو آئیڈیلسٹ ہے' مگر میں پریکٹیکل ہوں۔اور میرا نہیں خیال کہ تمہیں خود بھی پورا قصہ معلوم ہے۔'' وہ نرمی اور افسوس سے کہہ رہی تھی۔اور حنین حیران پریشان بیٹھی تھی۔اس کو ملامت کی امید تھی' یا ڈھارس بندھانے کی' مگر....زمر اتنی پریکٹیکل کیوں تھی؟ وہ پہلے سے زیادہ ڈسٹرب ہو گئی تھی۔

''شاید تمہیں حنین پورا قصہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔اس بات پہ سوچنا۔اب سو جاؤ' ہم صبح بات کریں گے۔'' وہ مسکرا کر کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔حنہ اسی طرح بیٹھی رہی۔وہ سیڑھیوں تک گئی تھی جب حنین نے پکارا۔

''آپ کو مجھ پہ ذرا بھی غصہ نہیں آیا' ہاشم والی بات سن کر؟'' زمر مڑی تو دیکھا' حنین پشیمان نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔زمر نرمی سے مسکرائی۔

''اس میں غصے والی کیا بات ہے؟ اب سو جاؤ۔'' اور زینے چڑھتی گئی۔ اوپر آ کر لاؤنج کا دروازہ بند کیا تو چہرے کے تاثرات بدلے۔ جبراً پُر سکون، نارمل رکھا چہرہ غم و غصے میں ڈھلتا گیا۔

''اس گھٹیا آدمی کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ حنین کو یوں ایکسپلائٹ کرے؟ اس نے اپنی عمر نہیں دیکھی؟'' وہ غصے سے کھولتی لاؤنج میں ٹہل رہی تھی۔ ''اگر فارس کو پتہ چلا تو ہاشم کی جان لے لے گا۔ حنین تو کم عمر ہے، ناسمجھ ہے، مگر ہاشم، وہ اس کی فیلنگز کے ساتھ کیوں کھیل رہا ہے؟ تمہیں تو میں اچھا سبق سکھاؤں گی ہاشم!'' وہ جو سوچ رہی تھی اس کے چہرے پہ حرف بہ حرف اترتا جا رہا تھا۔ فارس اوپر سے سیڑھیاں اترتا آیا تو ایک نظر اسے دیکھا جو غصے سے کھولتی ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ پھر کچن میں گیا۔ پانی کی بوتل فریج سے نکالی اور واپس آیا، اس کے قریب رکا۔

''کیا ہوا ہے؟''

اس نے خفگی سے فارس کو دیکھا۔ ''مجھ سے بات مت کرو۔ مجھے غصہ آیا ہوا ہے۔''

''آپ کو چوبیس میں سے پچیس گھنٹے غصہ آیا رہتا ہے، پانی پئیں، اور چند منٹ کے لیے کنٹرولڈ، ٹھنڈے اور شائستہ مزاج کی ہو جائیں۔'' بوتل سامنے رکھی اور اوپر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ زمر نے تلملا کر اسے جاتے دیکھا۔ (یہ مجھے میرے الفاظ لوٹا رہا تھا؟ ہاں؟ بہت بولنا نہیں آ گیا اس کو میرے آگے؟)

اور ساتھ والے قصر میں نوشیرواں بیڈ پہ بیٹھا، سفید سا پاؤڈر (آنکھیں بند کیے) ناک سے سانس کی صورت اندر اتار رہا تھا۔ سیاہ رات ایک دفعہ پھر سب کے گناہ اور سب کے راز چھپائے، تاریک ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے

کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے

سینڈ کلر دیواروں والا کمرہ خاموش تھا۔ سعدی بیڈ پہ ٹیک لگا کر لیٹا تھا۔ دفعتاً دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی۔ وہ جلدی سے اٹھا اور دروازے کی اوٹ میں آ کھڑا ہوا۔ چال میں لڑکھڑاہٹ اب بہت کم تھی۔

دروازہ کھلا اور ڈاکٹر مایا اندر داخل ہوئی۔ خالی کمرہ دیکھ کر وہ رکی، گارڈ سے کچھ کہا تو گارڈ تیزی سے اندر آیا۔ اسی پل سعدی اوٹ سے نکلا اور گارڈ پہ جھپٹا۔ گارڈ تیار نہیں تھا، قدرے لڑکھڑایا۔ باہر سے دو مزید گارڈ اس طرف لپکے، اور کھینچ کر سعدی کو اس گارڈ سے علیحدہ کیا اور بیڈ پہ پٹخا۔

''آہ!'' اس کے کسی زخم پہ کسی کا ہاتھ پڑا تھا۔ دہرا ہو کر بیڈ پہ گرا، وہ کراہا تھا۔ گارڈ غصے میں بول رہے تھے، مگر ڈاکٹر مایا تیزی سے آگے آئی۔

''اس کو باندھنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ ٹھیک ہے، میں سنبھال لوں گی، تم لوگ جاؤ۔'' ان کو اشارہ کیا تو وہ قدرے پس و پیش کے بعد باہر چلے گئے۔ سعدی اب سیدھا ہو کر بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ درد سے آنکھیں بار بار میچتا۔ وہ اسٹول کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھی۔

’’یہ کیا حرکت تھی؟‘‘ وہ جواب دیے بنا سیدھا ہوا‘ اور ٹیک لگا کر بیٹھا۔ پاؤں اوپر کیے۔

’’اس جگہ یہ واحد گارڈز نہیں ہیں‘ یہاں قدم قدم پہ پہرے ہیں‘ تم اس طرح یہاں سے نہیں بھاگ سکتے۔‘‘ آواز آہستہ کی۔

سعدی نے اس کو دیکھا۔ پھر عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

’’میرے زخم ٹھیک ہو گئے ہیں‘ اب تو کوئی نرس بھی کافی ہے‘ تو تم کیوں ہر روز آجاتی ہو؟‘‘

’’کیونکہ میں....‘‘ اس نے بے بسی سے بند دروازے کو دیکھا‘ آواز مزید دھیمی کی۔ ’’مجھے تمہاری فکر ہے۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔‘‘

’’اچھا واقعی؟ کس چیز کی مدد؟‘‘

’’یہاں سے نکلنے میں۔‘‘ وہ بے بس نظر آ رہی تھی۔

’’ڈاکٹر مایا!‘‘ اس نے چبھتی ہوئی نظریں مایا پہ گاڑیں۔ ’’کیا میری شکل سے یہ لگتا ہے کہ میں کل پیدا ہوا تھا؟‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘ وہ الجھی، سعدی اس کو گھورتے چبا چبا کر بولا۔

’’اپنی اداکاری مجھ پہ ضائع مت کرو۔ میں بچہ نہیں ہوں۔ سب سمجھتا ہوں۔ تم میرے ساتھ گڈ کاپ کھیل رہی ہو۔ ہاشم میری ذہنی کیفیت اور ارادوں سے باخبر رہنا چاہتا ہے‘ اس لئے اس نے تمہیں کہا کہ ہمدردی کی آڑ میں تم میرا اعتماد جیتو‘ اور میرے فرار کے ہر طریقے کی مخبری کر کے اسے ناکام بناؤ، اس حد تک کہ میں اس قیدی زندگی سے کمپرومائز کر لوں‘ اور نکلنے کا ارادہ ترک کر دوں۔‘‘ اور چہرہ پھیر لیا۔

مایا کے شاکڈ چہرے پہ دکھ کے تاثرات ابھرے۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

’’تمہیں اپنے ہمدردوں اور دشمنوں میں فرق کرنا ہی نہیں آتا تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ مجھ پہ اتنے الزام لگانے سے پہلے تمہیں خدا کا خوف کرنا چاہیے تھا۔ میں ایک غریب آدمی کی مجبور بیٹی ہوں‘ مگر تم اپنی تلخیوں سے نکلو گے تو تمہاری آنکھیں کھلیں گی۔‘‘ پھر ملامت بھری نگاہ اس پہ ڈالتی اٹھی۔ اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

باہر آ کر مایا نے کچن کی طرف جاتے ہوئے ٹشو باکس سے دو ٹشو نکالے‘ آنکھیں رگڑیں، اور ساتھ ہی کچن میں دیوار پہ لگے فون کا ریسیور اٹھایا۔

’’ہاشم کاردار کو ملا دو۔‘‘ آپریٹر کو ہدایت دی۔ چند لمحے بعد ہاشم کی آواز ابھری تو وہ تیزی سے بولی۔

’’سر، اسے شک ہو گیا ہے کہ آپ نے مجھے کس کام کے لیے رکھا ہے۔‘‘

دوسری طرف بمشکل ہاشم نے ضبط کیا۔ ’’ایک کام کہا تھا میں نے تم سے‘ کہ اس کو اٹریکٹ کرنے کی کوشش کرو‘ تا کہ وہ تمہیں اپنا بہترین ساتھی سمجھنے لگے‘ مگر نہیں....تم سے یہ ایک کام بھی نہ ہو سکا۔‘‘

’’سر میں کوشش کر رہی ہوں۔ مگر وہ مجھ سے زیادہ بات نہیں کرتا۔ میری بھی ہر وقت روک ٹوک کرتی ہے۔ آپ میری انچیو کو میری جاب بتا کر اسے سمجھا دیں کہ ایسا نہ کیا کرے۔‘‘ وہ اکتا کر کہہ رہی تھی۔

راہداری میں کھڑی میری نے رک کر ساری بات سنی اور پھر تیزی سے سعدی کے کمرے میں آئی۔ گارڈ نے دروازہ کھولا تو اس نے دیکھا وہ بستر پہ نیم دراز ہے۔ میری نے دروازہ بند کرتے ہوئے اسے غصے سے گھورا۔

''کیا کہا ہے تم نے مایا سے؟'' سعدی نے نظریں اٹھائیں۔

''وہی جو تم نے مجھے بتایا تھا میری!''

''میں نے؟'' وہ حیران ہوئی۔

''ہاں۔'' وہ پرسکون سا کہہ رہا تھا۔ ''تم ہمیشہ کہتی تھیں' مایا اچھی ہے' مایا اچھی ہے' مگر تم نے یہ نہیں کہا کہ وہ اچھی لڑکی ہے یا اچھی ڈاکٹر ہے' یونو تمہارے تھپڑ کے بعد میں یہ جان گیا تھا' کہ تمہارا مطلب ہے' مایا اچھی Cop ہے۔ یونو، گڈ کاپ، بیڈ کاپ، اس تھپڑ سے تم نے میری توجہ حاصل کی، تھینک یو اس ٹپ کے لئے۔'' مسکرا کر سر کو خم دیا۔

میری کا رنگ ذرا بدلا' بے اختیار بند دروازے کو دیکھا' پھر جی کڑا کر بولی۔ ''پتہ نہیں کیا بولے جا رہے ہو' میں نے تمہیں کوئی ہنٹ نہیں دی' خود سے باتیں مت فرض کیا کرو۔'' غصے سے اسے ڈانٹ کر وہ واپس جانے کو مڑی۔ ''اور گارڈ پہ آئندہ حملہ مت کرنا' اس طرح تم بھاگ نہیں سکتے!''

اس کے جانے کے بعد سعدی نے سر جھٹکا۔ ''کس نے کہا کہ میں بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا؟'' اور اپنے تکیے کے نیچے سے وہ سگریٹ لائٹر نکالا جو اس نے گارڈ کی جیب سے نکالا تھا۔ گڈ جاب سعدی! اسے دیکھتے ہوئے وہ مسکرایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے گنوا کر اسے پھر پانے کا شوق دل میں یوں ہے محسن
کہ جیسے پانی پہ دائرہ سا کوئی بنائے تو کچھ نہ پائے

جب ہاشم نے فون رکھا تو وہ ایک ہوٹل میں چند افراد کے ساتھ بفے ٹیبل کے پاس کھڑا تھا۔ بات ختم کر کے وہ ان کے قریب واپس آیا اور سلاد کھاتے ہوئے گفتگو کو وہیں سے جوڑنے لگا جہاں سے مایا کی کال نے توڑا تھا۔

قریباً تین گھنٹے بعد جب وہ اپنے گھر میں داخل ہو رہا تھا' تو اس کے سینے میں عجیب سی جکڑن ہو رہی تھی۔ یہ یقیناً سلاد تھا جس کی کوئی باسی یا خراب شے اسے لڑ گئی تھی۔ ایک لمحے کو اسے لگا' وہ گرنے لگا ہے' پھر دیوار کا سہارا لیا۔ سامنے فیونا کا حیران اور پریشان چہرہ نظر آیا' سب سلو موشن میں ہو رہا تھا۔ آوازیں بند تھیں۔ نوکر بھاگ کر اس کی طرف آ رہے تھے۔ وہ سہارے کے لئے بڑھے ہاتھ جھٹکتا' لڑکھڑاتا ہوا کمرے تک آیا۔ کوٹ اس نے کہاں گرایا' جوتا کدھر اتارا' کوئی خبر نہیں۔ باتھ روم تک بمشکل پہنچا' واش بیسن پہ ہاتھ رکھے جھکا۔ بے حد تکلیف زدہ سی قے آئی۔ پھر پانی منہ پہ پھینکا۔ چہرہ اٹھا کر آئینے میں دیکھا تو رنگ نچڑا ہوا' اور آنکھیں نڈھال لگتی تھیں۔ آگے اسے ٹھیک سے یاد نہیں.... کب بیڈ پہ لیٹا.... کب اس نے جواہرات اور ڈاکٹر کو اپنے سر پہ کھڑے بات کرتے سنا (ذرا سی فوڈ پوائزننگ ہے میم' صبح تک بالکل

ٹھیک ہوں گے کار دار صاحب!) کب کمرے میں اندھیرا چھایا۔ کب روشنی ہوئی۔ وہ سوتی جاگتی کیفیت میں بستر پہ نڈھال لیٹا رہا۔
متلی کی سی کیفیت سے اس کی آنکھ کھلی.... چھت گھومتی دکھائی دے رہی تھی۔ کہنی کے بل ذرا سیدھا ہوا۔ کرسی پہ ایک فلپینو ملازمہ بیٹھی تھی۔ اسے جاگتے دیکھ کر سیدھی ہوئی۔ ہاشم نے ذرا نا گواری سے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ وہ نہیں گئی تو بدقت مگر سختی سے بولا ''میں ٹھیک ہوں۔ جاؤ!'' وہ متذبذب سی باہر نکل گئی۔

مگر وہ ٹھیک نہیں تھا۔ بمشکل اٹھ پایا۔ اور بے جان قدموں سے چلتا باتھ روم تک آیا۔ واش بیسن پہ جھکا۔ اسے بہت زور کی قے آئی تھی مگر ایسے لگتا تھا جیسے اندر تک سب کچھ صاف ہو گیا ہو۔ بدقت منہ پہ پانی ڈالا۔ شرٹ اور کف بھیگ گئے۔ دیوار کو پکڑ پکڑ کر چلتا باہر نکلا۔ بیڈ کی بجائے کاؤچ تک آیا اور نڈھال سا اس پہ لیٹ گیا۔ کروٹ کے بل، نیم مردہ سا۔ اسے شدید سردی لگ رہی تھی۔ اتنی ہمت نہیں تھی کہ اے سی یا پنکھا آف کر پاتا۔ کروٹ کے بل لیٹے لیٹے، اس کی آنکھیں کھڑکی پہ جمی تھیں۔ پلک جھپکتا تو منظر صاف ہوتا، دوبارہ جھپکتا تو ہر طرف بادل ہوتے، کبھی کھڑکی بڑی ہو کر دکھائی دینے لگتی، کبھی پردوں کے ہلنے کی آواز سمندروں کی لہروں کے شور جتنی بلند ہو جاتی۔ برشے، ہر آواز کئی گنا بھاری محسوس ہو رہی تھی۔ شکلیں، ہیولے، بادل، سب آنکھوں کے آگے ناچ رہے تھے۔ ایسے میں ایک دفعہ اس نے پلک جھپکی تو کھڑکی کے آگے، بہت سی روشنی نظر آئی۔ اتنی دودھیا روشنی کہ آنکھیں چندھیا جائیں، پھر اس روشنی میں سے ایک ہیولہ سا ابھرنے لگا۔

سفید لمبی میکسی میں ملبوس کوئی لڑکی.... اس سوتی جاگتی hallucinating (بیماری کے باعث غیر حقیقی چیزوں کا نظر آنا) سی کیفیت میں بھی اسے لگا کہ اس کی موت آ پہنچی ہے، وہ مرنے والا ہے اور وہ ملک الموت کا عکس ہے جو اس کی روح لینے آیا ہے.... اس نے دھندلی بصارت سے اس وجود کو قریب آتے دیکھا۔ اس کی میکسی پاؤں تک آتی تھی، اور سینے پہ بندھے ہاتھوں میں گلدستہ تھا۔ سرخ گلابوں کا۔ اس نے آنکھیں اٹھا کر اوپر دیکھنا چاہا۔ دھندلا سا نظر آیا۔ اس کے چہرے کے گرد سرخ ریشمی اسٹول لپٹا تھا، جو کندھوں پہ اکٹھا ہو کر سامنے انگریزی حرف ''U'' کی طرح گرتا تھا۔ ہاشم نے نیم غنودہ سے انداز میں پلکیں جھپکیں۔ وہ قریب آئی۔ دودھ ملائی سا چہرہ، کرسٹل جیسی گری آنکھیں، اور سرخ ہونٹوں پہ ہمدردی بھری مسکراہٹ۔ جھک کر وہ اس کے ساتھ پھول رکھ رہی تھی۔
"Get Well Soon, Grim Reaper!" (جلد صحت یاب ہو، موت کے فرشتے!) مسکرا کر سرگوشی کی۔ وہ بول نہیں سکا۔ ادھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ ملک الموت نہیں تھی، ملک الموت تو وہ خود تھا۔ اب وہ اس کے اوپر کوئی چادر سی ڈال رہی تھی۔ یکدم سردی لگنا بند ہو گئی تھی۔ ہاشم کی پلکیں بھاری ہو کر گر گئیں۔ بمشکل کھولیں تو کمرے میں روشنی ویسی ہی تھی مگر وہ غائب تھی.... اس کا دماغ نیند میں ڈوبتا گیا۔

جانے کتنی دیر بعد اس کی آنکھ کھلی۔ وہ آہستہ سے اٹھ بیٹھا۔ کمرے میں شام کی نیلاہٹیں تھیں۔ بتیاں بجھی تھیں۔ وہ پسینے میں شرابور تھا۔ بخار ٹھنڈا تھا، اور حواس بہتر تھے۔ اٹھتے ساتھ ہی اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

نہ اس کے اوپر چادر تھی‘ نہ ساتھ پھول رکھے تھے۔ ہاشم نے بے حد کرب سے آنکھیں میچیں۔ (ایک باسی سلاد نے اسے اتنا بیمار کر دیا کہ وہ اس بری طرح سے hallucinate کرنے لگے؟ ایسا تخیل؟ ایسا خواب؟) سر جھٹک کر وہ اٹھا اور باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ چند منٹ بعد نکلا تو نہا کر ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس تھا۔ تکان ابھی تک چہرے پہ واضح تھی۔ سست قدمی سے چلتا باہر آیا۔

لاؤنج روشن تھا۔ جواہرات صوفے پہ بیٹھی‘ چائے پی رہی تھی۔ اسے آتے دیکھ کر فکرمندی سے کپ رکھا۔

”تمہیں ابھی آرام کرنا چاہیے۔ اب کیسے ہو؟“

”بہتر!“ وہ اس کے ساتھ صوفے پہ آ بیٹھا‘ اور پاؤں میز پہ رکھ لئے۔ آنکھیں موند لیں۔

”کیا کھا لیا تھا؟ اتنے بیمار لگ رہے ہو۔ شیرو اور میں بہت پریشان تھے۔“ اس کو بہتر دیکھ کر بھی جواہرات کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

ہاشم نے آنکھیں کھولیں‘ اور چھت کو تکنے لگا۔ ”میں نے ایک خوبصورت خواب دیکھا۔“

”اچھا۔“ وہ نرمی سے مسکرائی۔ ”کس کو دیکھا؟“ اب وہ صوفے پہ آدھی مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

”تھی کوئی!“

جواہرات نے گہری سانس لی۔ ”اسے کال کر لو۔ ڈنر پہ بلا لو۔ کتنے عرصے سے تم نے اس سے بات نہیں کی۔“

ہاشم نے آنکھیں بند کر لیں۔ ”میں مصروف تھا۔ اب بھی ہوں۔“ پھر سیدھا ہوا تو دیکھا‘ جواہرات اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

”نہیں ممی‘ ہم اس بارے میں بات نہیں کرنے لگے۔ وہ مجھ سے بہت چھوٹی ہے‘ انوسینٹ ہے‘ میں نہیں چاہتا اسے کبھی میرے بارے میں وہ سب معلوم ہو۔ وہ گناہ جو میں نے کیے ہیں.... وارث... زرتاشہ... وہ سب...“ اس نے سر جھٹکا۔

”کسی کو کبھی علم نہیں ہوگا‘ موو آن ہاشم!“ اس نے خفگی سے ٹوکا اور کپ اٹھا لیا۔

ہاشم اٹھ گیا۔ ”میں تھکن محسوس کر رہا ہوں۔ تھوڑی دیر لیٹتا ہوں۔“ جواہرات خاموش رہی۔ جانتی تھی وہ موضوع سے بچنا چاہ رہا ہے۔

وہ کمرے میں آیا تو فیونا ساتھ ہی آئی۔

”فیونا‘ مجھے کافی لا دو۔“ لائٹ جلاتے ہوئے اس نے کہا پھر رکا۔ ”میرا لیپ ٹاپ کہاں ہے؟“

”سر‘ سوری‘ مگر آپ کو کافی نہیں مل سکتی۔ آپ کا لیپ ٹاپ اور بریف کیس بھی مسز کاردار کے کمرے میں رکھ دیا ہے میں نے‘ اگلے دو دن آپ کو ڈاکٹر کے تجویز کردہ ڈائٹ پلان پہ عمل کرنا ہوگا۔ کوئی کام نہیں۔ صرف ریسٹ۔“

”تم ابھی اور اسی وقت اپنی نوکری سے فارغ ہو۔“

فیونا نے مسکراہٹ دبائی۔ ”تھینک یو سر‘ مگر آپ کو اپنی چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں مل سکتا‘ سوائے آپ کے سیل فون کے۔“ سائیڈ ٹیبل پہ دھرے فون کی طرف اشارہ کیا‘ ”ابھی جوس لاتی ہوں‘ اور پرہیزی کھانا۔“ مستعدی سے کہتی وہ ایڑیوں پہ گھومی۔ ہاشم مسکرا کر قدم قدم چلتا بیڈ تک آیا۔

''اور ہاں سر!'' وہ جیسے کچھ یاد کر کے واپس گھومی۔ ''میں نے پھول ادھر رکھ دیے تھے۔'' آتش دان کی طرف اشارہ کیا تو ہاشم نے چونک کر دیکھا۔ وہاں شیلف پہ گلدان میں سرخ گلاب رکھے تھے۔ ہاشم کی نظریں فوراً صوفے تک گئیں۔ صوفے کے قدموں میں گول مول سی ہوئی چادر پڑی تھی۔

(جو شاید اس نے نیند میں اتار دی تھی۔ تو وہ اس کا خواب نہیں تھا....)

''یہ کون لایا؟'' وہ متحیر سا آتش دان کے قریب آیا۔

''سر کسی لڑکی نے صبح آپ کے لئے کال کی تھی' میں نے بتایا آپ بیمار ہیں' تو وہ دوپہر میں آئی' نام نہیں بتایا' مگر نوشیرواں صاحب اس کو جانتے تھے' مسز کاردار اس وقت گھر پہ نہیں تھیں۔ میں نے اسے آنے دیا۔ آپ کو دیکھ کر اور یہ پھول رکھ کر وہ چلی گئی!''

''تم دوسری دفعہ اپنی نوکری سے فارغ ہو فیونا۔'' خفگی سے کہتا وہ پھولوں تک آیا' اور اندر لگا کارڈ نکالا۔ سفید سے کارڈ پہ سرخ روشنائی سے تحریر تھا۔

''Get Well Soon , Grim Reaper!''

اور نیچے چھوٹا سا لکھا تھا۔ ''آبدار ہارون عبید!''

ہاشم ذرا سا مسکرایا۔ موبائل اٹھایا اور کانٹیکٹ لسٹ اوپر کی۔ ایک نام پہ رکا۔ Red Riding Hood۔ پہلے کال کا بٹن دبایا۔ پھر (اونہوں) کال کاٹی۔ اور میسج لکھا۔ ''تھینکس' آبی!''

باہر سیڑھیاں اترتی فیونا' ساتھ سے گزرتے شیرو کو دیکھ کر رکی۔ ''سر' دوپہر میں جو لڑکی آئی تھی ہاشم صاحب کے لئے' اس نے اپنا نام نہیں بتایا۔ کیا آپ اس کو جانتے تھے؟''

شیرو جو فون میں الجھا تھا' رکا اور تیز نظروں سے فیونا کو گھورا۔

''آف کورس۔ وہ ہارون عبید کی بیٹی ہے۔ اور زہر لگتی ہے مجھے وہ۔ اب ہٹو سامنے سے۔'' اور برے موڈ کے ساتھ اوپر آیا۔

(ایک تو ہاشم بھائی کو وہی لوگ کیوں پسند آتے ہیں جو مجھے ناپسند ہوتے ہیں؟ ایک سعدی' اور ایک یہ فسادی! میں ابھی تک بھولا نہیں ہوں کہ کس طرح یونیورسٹی میں اس نے مجھے اپنے منگیتر سے پٹوایا تھا۔ ہونہہ!) منہ میں بڑبڑاتا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صحرا میں جی رہا تھا جو دریا دلی کے ساتھ

دیکھا جو غور سے تو وہ پیاسا بہت لگا

ہاشم نے جب ٹیکسٹ بھیجا تو اس کے موبائل سے نادیدہ لہر نکلی اور اڑتی ہوئی ہوا میں بہتی چلی گئی۔ سڑکیں عبور کیں' گھر پھلانگے' اور بالآخر ایک سرسبز میدانوں سے گھرے اونچے محل میں تیرتی ہوئی آئی' ایک کھڑکی سے اندر کودی' اور اسٹڈی ٹیبل پر رکھے موبائل میں جا

اتری۔موبائل اسکرین میسج ٹون سے چمکی اور بجھ گئی۔

وہ ایک وسیع وعریض سی اسٹڈی سی لگتی تھی۔اس کے دروازے پہ نیم پلیٹ لگی تھی۔"آبدار عبید۔Hypnotheropist"۔اندر دیکھو (اسی کھڑکی سے) تو اسٹڈی ٹیبل کی کنٹرول چیئر کی پشت نظر آتی تھی۔سفید آستین میں ملبوس کہنی کرسی کے بازو پہ جمی تھی' اور سرخ اسٹول میں ڈھکا سر پیچھے سے دکھائی دیتا تھا۔یہاں سے اس کا چہرہ تو نظر نہ آتا' البتہ سامنے کاؤچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' قیمتی سوٹ میں ملبوس درمیانی عمر کا آدمی بیٹھا واضح دکھائی دے رہا تھا اور وہ قدرے الجھن سے کہہ رہا تھا۔

"تو آپ میرا علاج کیوں نہیں کرسکتیں؟"

سرخ اسکارف والا سر جیسے گہری سانس لے کر جھٹکا گیا۔"مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا یہ کہتے ہوئے' مگر آپ کو سائیکاٹریسٹ کی ضرورت ہے' اور میں سائیکاٹرسٹ نہیں ہوں' نہ ہی سائیکالوجسٹ۔یہ وہ ہوتے ہیں جو ذہنی مرائض کا علاج کرتے ہیں' نہ ہی میں میڈیکل ڈاکٹر ہوں جو کسی جسمانی بیماری کا علاج کرسکوں۔میں hynotheropist ہوں۔"اس کی آواز نرم اور سادہ تھی۔

"مگر..."وہ الجھا۔"نہ جسمانی نہ ذہنی' اگر دونوں کا علاج آپ کے پاس نہیں ہے تو....آپ کیا کرتی ہیں؟"

"میں hypnosis کے ذریعے آپ کو ایک بہتر ذہنی حالت میں لے جاسکتی ہوں' جہاں آپ خود کو ایک بہتر انسان کے طور پہ دیکھ سکتے ہیں' یہ سیلف امپرومنٹ کے لئے ہوتا ہے' بری عادتیں' اور بری یادوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے۔اور اس کی آپ کو قطعاً ضرورت نہیں ہے۔آپ کو کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت ہے۔میں ایک ریفر کر رہی ہوں۔"قلم سے کاغذ پہ چند الفاظ گھسیٹے اور شرپ سے پیڈ سے صفحہ اتار کر اس کی طرف بڑھایا۔

"آپ ان سے مل لیں۔یہ آپ کا بہترین علاج کریں گے۔"

ان صاحب نے تذبذب سے صفحہ تھام لیا۔"مگر....آپ کے والد نے مجھے کہا تھا کہ آپ بہت اچھی تھیراپسٹ ہیں۔"

"میں بہت اچھی تیراپسٹ ہوں' اسی لئے آپ کو ایمانداری سے بتا رہی ہوں کہ آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔"وہ صاحب اٹھے' چند الوداعی کلمات کہہ کر باہر نکل گئے۔دروازہ بند ہوا تو اس نے کرسی موڑی' اب کھڑکی میں کھڑے ہو کر دیکھو تو اس کا داہنا رخ نظر آتا تھا۔وہی ملائی سا چہرہ' اور بلی جیسی گرے آنکھیں جن کے ابرو ناراضی سے بھنچے تھے۔سرخ ہونٹ دانت سے کاٹتے' اس نے موبائل اٹھایا۔ہاشم کا نیا میسج سرسری سا پڑھ کر ایک کال ملائی۔

"امین....بابا کہاں ہیں؟...نہیں' ان کو فون مت دو۔بس اتنا بتادو کہ ان کا بھیجا پانچ سو چھبیسواں مریض بھی میں نے واپس کردیا ہے۔اسی لیے اپنے سیاسی دوستوں کو میرے پاس مت بھیجا کریں' اس امید پہ کہ ان کے سارے راز میں آپ کو بتا دوں گی۔اور ہاں امین' یہ زور دے کر کہنا' کہ میں بہت' بہت خفا ہوں۔"نرمی خفگی سے کہہ کر موبائل رکھ دیا۔پھر اٹھی اور دروازے کی طرف چلی گئی۔

اب تم کھڑکی سے ہٹ کر کھڑے ہو تو دیکھو گے کہ' چند لمحے بعد وہ اس اسٹڈی کے بیرونی دروازے سے نکلتی دکھائی دے

رہی تھی۔ وہاں سبزہ زار دور دور تک پھیلا تھا۔ وہ ایک نظر سبزے پہ ڈالتی گھاس کے کنارے چلنے لگی۔ سادہ لمبا سفید فراک پہنے جس کے چوڑی دار آستین تھے' اور چہرے کے گرد سختی سے سرخ اسٹول لپیٹے۔ وہ چلتے ہوئے ہاتھ پودوں کے پتوں سے گزارتی جا رہی تھی۔ ایک سفید ایرانی بلی دور سے بھاگتی آئی اور اس کے قدموں کے برابر چلنے لگی۔

''سنو.... بیلا'' اس نے خفگی سے بلی کو مخاطب کیا۔ ''میرا موڈ بہت خراب ہے' اور آج میں مزید کوئی کلائنٹ نہیں دیکھنے لگی۔'' ذرا آگے آ کر رکی۔ برآمدہ خالی تھا۔ کرسیاں بھی خالی تھیں۔ آبدار نے ''oops'' والے انداز میں بلی کو دیکھا۔ پھر جلدی سے کندھے اچکائے۔

''چلو اچھا ہوا۔ اور کوئی کلائنٹ ہے بھی نہیں میں انکار کرتی تو برا لگتا ان کو۔'' بلی نے اس کے قدموں سے خود کو رگڑتے اس کے گرد چکر کاٹا۔ وہ پھر سے چلنے لگی۔

''ویسے تمہیں کیا لگتا ہے؟ بابا نے میری بات کا برا مانا ہوگا؟ مگر... اوہ نہیں بیلا'' وہ اداس ہوئی۔ ''امین (ڈرائیور) نے پوری بات بتائی ہی نہیں ہوگی ان کو۔ بابا سمیت کوئی بھی مجھے سیریس نہیں لیتا۔ سوائے میرے کلائنٹس کے۔ حالانکہ ان کو بھی مجھے سنجیدہ نہیں لینا چاہیے۔ اب میں دیکھنے میں کوئی ہپنوتھیراپسٹ تھوڑی لگتی ہوں؟ ایک تو میں نرم دل اتنی ہوں' اوپر سے کیوٹ بھی ہوں۔'' رک کر پوچھا۔ ''ہوں نا؟'' بلی جواب میں غاؤں غاؤں کرتی مسلسل اس کی ٹانگوں سے خود کو رگڑ رہی تھی۔

دور سے دو ملازموں نے دیکھا کہ وہ چلتی آ رہی ہے۔ جو ذرا ادھیڑ عمر تھا' وہ نوجوان ملازم کی طرف مڑا۔

''تم آبدار بی بی کو بتاؤ اپنے سارے مسئلے مسائل کا' جن کی وجہ سے تم کک (باورچی) نذیر کا قرضہ واپس نہیں کر سکتے۔ بی بی بہت ہمدرد اور مہربان ہے' تم ابھی ان کو نہیں جانتے' نئے ہو نا۔ وہ تمہیں کک سے مہلت دلا دیں گی۔'' ہمدردی سے مشورہ دیا۔ نوجوان ملازم کی ہمت بندھی۔ فوراً آگے گیا' جہاں وہ روش پہ چلتی آ رہی تھی۔

''آبدار میم!'' اس نے ہاتھ باندھے مودب سا پکارا۔ وہ رکی۔ نظر بھر کر اسے دیکھا۔

''آپ نے اس دن کہا تھا کہ کک سے لئے گئے پیسے جلد واپس کر دوں۔''

''ہاں غضنفر' وہ بے چارہ پہلے ہی اتنا غریب ہے' نرم دلی میں دے تو بیٹھا ہے لیکن ابھی اس کو سخت ضرورت ہے ان کی۔''

''وہ دراصل...'' سر جھکا کر بے چارگی سے بتانے لگا۔ ''میری بہن کی شادی قریب ہے' وہ سارے پیسے اس میں لگ گئے' پھر بھی کم پڑ رہے ہیں' والد میرے سرطان کے مریض ہیں' ڈاکٹر نے کہا کہ علاج کی منزل سے نکل چکے ہیں۔ دوا کا خرچہ بہت ہے۔ آپ پلیز کک سے کہہ دیں' وہ ذرا مجھے مہلت دے دے۔ آج کل دو وقت کے کھانے کا خرچہ بھی پورا نہیں ہو پاتا ہمارے گھر کا۔'' وہ دکھ اور بے بسی سے کہہ رہا تھا۔

آبدار کی آنکھوں میں فکرمندی ابھری۔ دو قدم قریب آئی۔ ''اوہ ہو۔ آئی ایم سوری غضنفر۔ تمہارے تو بہت برے حالات ہیں' میں ابھی کک سے بات کرتی ہوں' نہ صرف وہ مہلت دے گا' بلکہ تم کہو تو میں تمہاری بہن کی شادی کے لئے پانچ دس لاکھ ارینج کر دوں؟'' اپنائیت

اور ہمدردی سے پوچھ رہی تھی۔ ملازم غضنفر نے آنکھیں اٹھائیں۔ ان میں امید کی خوشی تھی۔

''بی بی' یہ تو آپ کا احسان ہوگا۔''

''شیور۔ میں ایسا کرتی ہوں' کک کے پیسے بھی خود ہی ادا کر دیتی ہوں' اور تمہیں مزید رقم بھی دے دیتی ہوں۔ اوکے؟'' وہ آگے بڑھی۔ پھر رکی۔ غضنفر فرط جذبات سے شکریہ بھی نہ کہہ پایا تھا جب وہ واپس گھومی۔

''مگر ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے غضنفر۔'' بہت ہی فکر مندی سے بتانے لگی۔ ''میں نے تمہارا بیک گراؤنڈ چیک کروایا تھا' ایسا ہے کہ تمہاری کوئی بہن نہیں ہے' اور والد تمہارے دس بارہ سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ تمہارے بینک اکاؤنٹ جس میں ہر ماہ تمہاری تنخواہ جاتی ہے' اس میں بھی کافی رقم ہے' اور کک کے پیسوں سمیت وہ تمام رقم تم نے اپنے ہمسائے کو دینی ہے' اس کی بیٹی سے شادی کے بدلے میں' سو یو نو واٹ! میرے محنتی اور ایماندار کک سے جو پیسے تم نے باپ کی بیماری کا کہہ کر ہتھیائے تھے نا' وہ ان کو کل صبح سے پہلے واپس ملنے چاہئیں' ورنہ.... اگر میں نے بابا کو بتایا تو....''

بہت ہی نرمی سے کہتے فقرہ ادھورا چھوڑا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ مسکرائی اور مڑ گئی۔ ادھر غضنفر کے ایک رنگ آ رہا تھا' ایک جا رہا تھا۔ ہکا بکا سا وہ ادھیڑ عمر ملازم کی طرف گھوما جس نے مسکرا کر مونچھوں کو تاؤ دیا۔

''بولا تھا نا' ابھی تم بی بی کو نہیں جانتا۔'' غضنفر نے تلملا کر اسے دیکھا تھا۔ (کک کا وفادار)

وہ اپنے قصر کی چار دیواری کے ساتھ قدم بقدم چلتی آگے بڑھ رہی تھی۔ بلی بھی ساتھ ہی تھی۔ دفعتاً ایک دروازے کے قریب وہ رکی۔ آنکھیں چمکیں۔ شرارت سے بلی کو ''شش'' چپ رہنے کا اشارہ کیا اور دبے قدموں آگے آئی۔ کھلے دروازے سے گردن نکال کر جھانکا۔

وہ کمپئین آفس کے طور پہ استعمال ہونے والا کمرہ تھا۔ دیواروں پہ کاغذ۔ چارٹس۔ ملٹی میڈیا۔ نوجوان ورکرز آگے پیچھے ٹہل رہے تھے' کوئی بول رہا تھا' کوئی کمپیوٹر پہ بیٹھا تھا۔ ان میں ذرا اونچے چبوترے پہ کھڑا' ٹی شرٹ اور پی کیپ والا نوجوان' جس کو وہ احمر شفیع کے نام سے جانتی تھی' کہہ رہا تھا۔

''فاطمہ' مجھے رات ایک دوست کے میموریل ڈنر پہ جانا ہے' پیچھے جب ہارون صاحب پرائم ٹائم میں انٹرویو دیں گے تو تم میری جگہ ہوگی۔'' فاطمہ کے پیچھے کسی ورکر کو دیکھ کر اونچا بولا۔ ''یہ کیا ہے' رضا؟'' آبدار کی نظریں اس طرف گھومیں جہاں ایک لڑکا ہینگنگ ڈریس بیگ اٹھائے چلا آ رہا تھا۔

''سر' یہ عبید صاحب کا شلوار سوٹ ہے' یہ شو کے لیے بھیجا ہے ڈیزائنر نے۔'' وہ ہینگنگ بیگ میں لباس دکھا رہا تھا۔ احمر کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''ہرگز نہیں۔ وہ شلوار سوٹ میں مزید دراز قد لگیں گے' شو کے فارمیٹ میں تینوں سیاستدانوں کے سامنے میز نہیں ہوگی اور وہ کھڑے ہوں

گے' مخالف والے چیمہ صاحب کو دیکھا ہے تم نے کتنے کمزور اور نحیف سے ہیں' ہارون صاحب ان کو bully کرتے نظر آئیں گے۔اس کو بدل کر تو پیس تیار کرواؤ۔ٹائی گہرے رنگ کی ہو۔ان کو فائیٹر لگنا چاہیے' ڈکٹیٹر نہیں۔'' پھر اسی سنجیدگی سے فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا' تبھی دروازے میں گردن نکال کر دیکھتی لڑکی پہ نگاہ پڑی جو فوراً سے اوٹ میں ہو گئی۔ فاطمہ کو رکنے کا کہہ کر تیزی سے باہر آیا۔وہ دیوار کے ساتھ کھڑی تھی۔

''ہیلو احمر!'' اسے دیکھ کر سنبھل کر مسکرائی۔''میں فارغ تھی' سوچا کیمپئن کے لئے خود کو والنٹیئر کر دوں۔کوئی کام ہے میرے لئے؟'' معصومیت سے آنکھیں جھپکائیں۔

احمر نے بہت ضبط سے گہری سانس لی۔''نہیں' مس عبید' آپ کے لئے کوئی کام نہیں۔بلکہ آپ کے اس کمرے میں داخل ہونے پہ بھی میں پابندی لگانے جا رہا ہوں۔''

آبدار کی آنکھوں میں خفگی ابھری۔''سو روڈ۔میں بابا کو شکایت کروں گی۔''

''پھر مجھے بھی بتانا پڑے گا کہ جب بھی آپ کیمپئن آفس میں آتی ہیں' کچھ نہ کچھ غلط ضرور ہوتا ہے۔'' دانت پہ دانت جمائے اسے گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔''کبھی میرے بیگ سے مرا ہوا چوہا نکلتا ہے' کبھی موبائل چارجرز ڈسٹ بن میں خود بخود جا پہنچتے ہیں' کبھی ہماری فائلز میں چھپکلی کی دم خود سے آ گرتی ہے۔''

وہ نظریں جھکا کر انگلیاں مروڑنے لگی تو احمر نے چند ایک گہرے سانس لئے۔''مجھے پتہ ہے آپ نہیں چاہتیں کہ آپ کے بابا کامیاب ہوں' کیونکہ اس صورت میں وہ آپ کو وقت نہیں دے پائیں گے' مگر اچھا ہو گا اگر آپ اپنے ریلیشن شپ کو بہتر بنانے پہ غور کریں' بجائے میرے کام میں ٹانگ اڑانے کے۔سو..'' انگلی سے چوکھٹ کی طرف اشارہ کیا۔''یہ باؤنڈری اب آپ کراس نہیں کریں گی۔''

آبدار کی تلملائی ہوئی نظریں اوپر اٹھیں۔نروٹھے پن سے کچھ کہنے لگی تھی کہ احمر کی شرٹ دیکھ کر رک گئی۔آنکھیں سکیڑیں۔

سفید شرٹ پہ بلیک اینڈ وائٹ ایک مسکراتے نوجوان کی تصویر بنی تھی' جس کے چھوٹے گھنگریالے بال تھے' اور اوپر ریاضی کا نشان hash tag ڈال کر لکھا تھا #SaveSaadi

''یہ کون ہے؟'' وہ اچنبھے سے بولی۔احمر اپنی ساری تقریر اکارت جاتے دیکھ کر مزید جل گیا۔

''میرا دوست ہے' مسنگ ہے' اس کے میموریل ڈنر میں جانا ہے رات کو' اسی کے لئے پہنی ہے۔'' خفگی سے کہتا پلٹ گیا۔

آبدار الجھی سی کھڑی سوچتی رہی۔(یہ کون تھا؟ کہاں دیکھا ہے میں نے اسے پہلے؟)

اس کی بلی اب بیٹھی اس کے پیر چاٹ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی

اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

میموریل ڈنر ایک ہاؤسنگ سوسائٹی کے بینکوئٹ ہال میں منعقد تھا۔ اندر روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ اسٹیج کے پیچھے دیوار گیر بینر لگا تھا' جس میں سعدی مسکراتا ہوا نظر آ رہا تھا' اور ساتھ SaveSaadi# لکھا تھا۔ #وہی تصویر پرنٹ ہو کر ہال میں بیٹھے بہت سے لڑکے لڑکیوں کی شرٹس پہ چھپی تھی۔

احمر شفیع بھی اسی شرٹ میں کھڑا سعدی کے دو منتظم دوستوں سے بات کر رہا تھا جب اس نے زمر کو اس طرف آتے دیکھا۔ وہ گھنگریالے بالوں کو جوڑے میں لپیٹے قدرے عجلت میں لگ رہی تھی۔

''السلام وعلیکم احمر!'' پھر دوسرے لڑکے کو مخاطب کیا۔ ''تیسرے نمبر پہ تقریر میری بھتیجی کرے گی'.....اوکے؟ اور اس کو آدھے پون گھنٹے کا ٹائم چاہیے گا۔ وہ سعدی کی بہن ہے آخر!''

''آ.... اوکے مسز زمر!'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ احمر کچھ کہنے لگا مگر وہ مڑ گئی۔ اب وہ داخلی دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ چہرے پہ مسکراہٹ سجائے۔ سامنے سے ڈاکٹر ایمن اور ڈاکٹر توقیر چلے آ رہے تھے۔

''مجھے بہت خوشی ہے کہ آپ لوگ آئے۔'' ان کو ریسیو کر کے وہ انہیں ان کی میز کی طرف لے آئی۔ ''بچے نہیں آئے آپ کے؟''

''وہ بہت چھوٹے ہیں مسز زمر! میموریل کی باتیں ان کے ذہنوں پہ ناخوشگوار اثر نہ ڈالیں' اس لیے ان کو نانی کی طرف چھوڑا ہے۔'' ڈاکٹر ایمن بتا رہی تھیں۔ زمر کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری۔ مگر جبراً مسکراتی رہی۔

''بالکل۔ ہر شخص کو اپنے بچے کو پروٹیکٹ کرنے کا حق ہے۔'' اور پھر جب مڑی تو مسکراہٹ غائب تھی اور آنکھوں میں شدید تکلیف تھی۔ اسی طرح چلتی وہ حنین کی میز تک آئی جہاں ندرت' سیم اور فارس بیٹھے تھے۔ فارس بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ زمر نے اس کے ساتھ خاموش نظر کا تبادلہ کیا' پھر حنین کے قریب جھکی۔

''تیسرے نمبر پہ وہ تمہیں اسٹیج پہ بلائیں گے۔ تمہیں تقریر کرنی ہے' وہ بھی چالیس منٹ کی۔''

''واٹ؟'' حنہ نے دہل کر اسے دیکھا۔ ''مگر میں اپنے بھائی کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی کسی سے۔ آپ نے مجھے کہا تھا کہ مجھے کوئی تقریر وغیرہ نہیں کرنی ہوگی۔''

''مجھے نہیں پرواہ میں نے کیا کہا تھا۔'' وہ دبی سرگوشی میں بولی۔ ''مگر تمہیں اگلے چالیس منٹ اسٹیج پہ جا کر بولنا ہے' اور اتنا اچھا بولنا ہے کہ کسی کو میری اور فارس کی کمی محسوس نہ ہو۔ اب میں جا رہی ہوں۔ کوئی سوال نہیں۔'' فارس اتنا سن کر اٹھ کر بیک اسٹیج کی طرف جانے لگا۔

وہ بھی کھڑی ہو گئی۔ حنین سے کچھ بولا نہیں گیا۔ ''مگر... میں کیا کہوں گی؟''

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ خود سوچو۔'' رسان سے کہہ کر وہ اٹھ آئی۔

وہ کار میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے اندر بیٹھتے ہی بے چینی سے بولا۔ ''میں اکیلا کر لیتا سب' آپ کو آنے کی ضرورت نہیں تھی۔''

''میں تمہاری مدد کے لئے نہیں آ رہی۔'' اور زور سے دروازہ بند کیا۔

اندر چند منٹ تو حنین یونہی بیٹھی رہی۔ پھر جب اس کا نام پکارا گیا تو اس نے بہت سی نظریں خود پہ اٹھتی محسوس کیں۔ پھر چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتی ڈائیس تک آئی۔ نم ہوتے ہاتھوں سے مائیک سیدھا کیا۔ ایک نظر اس بھرے ہال پہ ڈالی جس میں ہر عمر کے افراد' سول سوسائٹی کے اراکین' طلباء' کچھ رشتے دار' سب بیٹھے تھے۔ دل کانپا۔ نگاہ جھکا دی۔ چند رسمی کلمات کہے' پھر رکی۔

''میں کوئی تقریر لکھ کر نہیں لائی' کیونکہ میں تقریر کرنا بھی نہیں چاہتی۔ عجیب سا لگتا ہے اپنے بھائی کے لئے تقریر کرنا' رسمی جملے کہہ کر' چند آنسو بہا کر' تالیاں سمیٹنا۔'' جھکی آنکھوں سے سر جھٹکا۔

''پاکستان میں ہر سال ہزاروں لوگ قتل کیے جاتے ہیں' بم دھماکوں میں' ٹارگٹ کلنگ میں۔ اور ہزاروں اغوا کیے جاتے ہیں۔ کچھ مار دیے جاتے ہیں' کچھ تاوان لے کر چھوڑ دیے جاتے ہیں' مگر چند لوگ... چند لوگوں کو زندہ رکھا جاتا ہے۔ وہ شہریار تاثیر ہو عزیز یوسف رضا گیلانی ہو یا سعدی یوسف ہو۔ ان کے اغوا کار برسوں ان کو زندہ رکھتے ہیں۔ اور ان کے گھر والوں کو روز مارتے ہیں...''

جھکی نظروں سے ڈائس کی سطح پہ دیکھا۔ وہاں میموریل کا پمفلٹ رکھا تھا۔ سعدی کی تصویر۔ اس کو دیکھ کر بہت کچھ یاد آنے لگا۔

''ہم عام بہن بھائیوں جیسے تھے۔ امی کو تنگ کرتے تھے بہت۔ وہ فون پہ کبھی کسی خالہ ممانی سے کسی کی غیبتیں کر رہی ہوتیں تو بھائی پکارتا' امی یہ غیبت ہے' اور امی غصے سے جوتا اٹھا کر پھینکتے ہوئے کہتیں' ''میں حقیقت بیان کر رہی ہوں۔'' چہرہ جھکائے وہ ذرا سا ہنسی۔ ہال میں بھی نم سی ہنسی گونجی۔ ''امی سارا دن ہم بہن بھائیوں کو برا بھلا کہتی تھیں' اگر کبھی کسی رشتے دار کے سامنے ہماری تعریف کرتیں تو بھائی کہتا' حنہ تمہیں نہیں لگتا کہ امی جھوٹ بول رہی ہیں؟'' نظریں اٹھائیں تو دیکھا۔ سامنے بیٹھی ندرت اور سیم مسکرا کر اسے دیکھ رہے تھے۔ آنکھیں نم تھیں۔ وہ پھر سے پلکیں جھکا کر کہنے لگی۔

''بھائی اور میں اکٹھے اسکول جاتے تھے۔ پانچ سال کا فرق تھا ہم میں۔ دو بجے چھٹی ہوتی' دو بیس پہ ہم گھر پہنچتے۔ آتے ساتھ یہی بے چینی ہوتی کہ آج کھانے میں کیا پکا ہوگا؟ بھاگ کر دیگچی کا ڈھکن اٹھاتی۔ جس دن گوبھی یا کریلے ٹنڈے ہوتے' بس اس دن مجھے لگتا میں امی کی لے پالک اولاد ہوں۔'' مسکرا کر سر جھکائے' وہ کہہ رہی تھی۔ ایک دفعہ پھر سب ہنسے تھے۔

''خیر' پونے تین تک نہا دھو کر کھانا کھا کر میں جلدی سے سونے لیٹ جاتی' معلوم تھا کہ بمشکل آنکھ لگے گی ہی کہ... تین بجے... وہ چنگھاڑتی ہوئی آواز اٹھا دے گی۔ جی ہاں۔ قاری صاحب کی گھنٹی کی آواز۔ اف۔''

ہال میں زور کا قہقہہ بلند ہوا۔ (اور وہ سمجھتی تھی صرف اسی کے گھر قاری صاحب تین بجے آتے تھے۔)

''میں روز تین میں سے پانچ منٹ پہلے دعائیں' منتیں شروع کرتی' اللہ کرے قاری صاحب آج نہ آئیں۔ بارش ہو جائے۔ بیمار ہو جائیں۔ کبھی تین سے پانچ منٹ اوپر ہو جاتے اور گھنٹی نہ بجی ہوتی' تو میں اتنی خوش ہوتی' مگر' میں اسی وقت گھنٹی بج جاتی۔ اف۔ بہت تپ چڑھتی تھی۔ لیکن کبھی... سال میں ایک آدھ بار... وہ سرپرائز چھٹی کر بھی لیتے۔ اس خوشی کا کوئی ثانی نہیں ہوتا تھا۔ اب بھی کبھی لگتا ہے کہ اسی

طرح ایک دن بھائی گھر آجائے گا۔ سرپرائز۔ اس خوشی کا بھی کوئی ثانی نہیں ہوگا۔''

جھکے چہرے پہ آنسو ٹوٹ کر گرنے لگے' مگر اس کی آواز ہموار تھی۔ ہال میں پن ڈراپ سائیلینس تھا۔ ڈاکٹر ایمن جذبات سے عاری چہرہ لئے اس کو دیکھ رہی تھیں۔ ڈاکٹر توقیر بار بار پہلو بدلتے تھے۔

''مگر پتہ ہے کیا...'' وہ کہہ رہی تھی... ''بھائی قاری صاحب کے آنے پہ میری طرح نہیں چڑتا تھا۔ میں غصے سے قاری صاحب کی برائیاں کرتی۔ کہتی' بھائی یہ غلط فتوے دے دیتے ہیں' کبھی کہتے ہیں یہ حرام' کبھی وہ حرام۔ یہ مولوی اتنے تنگ نظر کیوں ہوتے ہیں؟ ایک دن بھائی نے مجھے صوفے پہ بٹھایا اور بولا۔ ''حنہ پتہ ہے' مولوی کون ہوتا ہے؟ وہ جس کی معمولی تعلیم ہوتی ہے' مسجد کے ایک حجرے میں رہتا ہے' چار پانچ بچے ہوتے ہیں' اور اتنی کم تنخواہ جس میں ہم ایک ڈنر کرلیں۔ وہ اس میں پورا مہینہ گزارتا ہے۔ بچوں کو پڑھاتا ہے۔ دو وقت کی روٹی کی فکر بھی کرتا ہے' اس کو کہاں ملے ذہن کھلا کرنے کے مواقع؟ مدینہ یونیورسٹی یا گلاسکو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی نہیں کی ہوتی اس نے۔ یہ جو سوٹڈ بوٹڈ' بہترین اسلامک اسکالرز بڑے بڑے سیمینارز اور فورمز پہ لیکچر دیتے ہیں' ریسرچ پیپرز نکالتے ہیں' نہ ان جیسا ذہن ہوتا ہے اس کا' نہ اتنے مواقع ملے ہوتے ہیں۔ وہ تو منہ اندھیرے اذان دیتا ہے' لوگوں کو نماز کے لئے اٹھاتا ہے' رمضان میں تراویح پڑھاتا ہے' بچوں کو قرآن پڑھنا سکھاتا ہے۔ اس کی انکم دیکھو' اس کے حالات اور اس کا پس منظر تو دیکھو' پھر اگر وہ تنگ نظر ہے' سخت فتویٰ دے دیتا ہے' تو کیا تم لوگ اس کی ان باتوں کو اس کے ان سارے احسانات کے پیش نظر جو وہ تم لوگوں پہ کرتا ہے' اگنور نہیں کرسکتے؟ کیا اس کے حلوے کی پسندیدگی پہ لطیفے بنانا ضروری ہے؟'' مگر میں نے پھر بھی کہا۔ جو بھی ہے بھائی' تین بجے آنا کوئی انسانیت نہیں ہے!'' ہلکا سا ہنسی تھی وہ... سب سن رہے تھے اسے۔ غور سے خاموشی سے اور وہ بولتی جا رہی تھی۔۔۔ اس کے اندر کا کھاتا کیڑا دم توڑنے لگا تھا۔

ضبطِ غم نے اب تو پتھر کر دیا ورنہ فراز!
دیکھتا کوئی کہ دل کے زخم جب آنکھوں میں تھے

ان سے دور' نیم اندھیر کالونی میں ایک بنگلے کے سامنے' چار دیواری کی اوٹ میں وہ کھڑا تھا۔

''ان کا گارڈ نہیں ہے کیا؟'' ساتھ کھڑی زمر نے پوچھا تھا۔

''اونہوں، آج کل ان کا گارڈ ہسپتال کی عمارت میں ہوتا ہے۔'' وہ کہتے ہوئے گیٹ کے لاک میں پک ڈال کر گھما رہا تھا۔

زمر نے چہرہ دوسری طرف کرلیا۔ ''کسی دن ہم عدالت میں کھڑے اس لمحے کی بات کر رہے ہوں گے' اور میں چاہتی ہوں کہ خود کو perjure کیے بغیر (کٹہرے میں جھوٹ بولے بغیر) کہہ سکوں کہ تمہیں کبھی کچھ الیگل کرتے نہیں دیکھا۔''

گیٹ کھل گیا، وہ ان سنی کرتا اندر بڑھ گیا۔ زمر پیچھے آئی۔ باہر لگی نیم پلیٹ جگمگا رہی تھی۔

ڈاکٹر توقیر بخاری۔ ڈاکٹر ایمن بخاری۔

''کالونی میں ایک ہی سی سی ٹی وی کیمرہ ہے' جس کو میں نے دوپہر میں ڈس ایبل کر دیا تھا۔'' وہ گھر کے اندرونی دروازے کے سامنے بیٹھا'

اور ایک ننھی سی پک pick لاک میں گھساتے بولا۔ زمر سینے پہ بازو لپیٹے ساتھ کھڑی اسے دیکھے گئی۔

''کسی کے گھر کا لاک توڑنا' کسی کی پراپرٹی پہ ٹریس پاس کرنا' مجھے یقین نہیں آرہا میں ایسے کام میں ملوث ہو رہی ہوں۔ تمہیں پتہ ہے ٹریس پاسنگ کی سزا کتنے سال ہوتی ہے؟'' وہ جھرجھری لے کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''ایکسٹورشن (بلیک میلنگ) کی سزا کتنے سال ہوتی ہے؟'' وہ اسی سنجیدگی سے پک کو کی ہول میں گھسائے باری باری لاک کی pins دھکیلنے لگا۔ زمر کلس کر چپ ہو گئی۔

وہ ایک ایک پن دھکیل رہا تھا۔ یوں جیسے پیانو کی کیز پہ انگلیاں چلا رہا ہو، اور جو تال اٹھی تھی، اس نے اندھیرے میں ایک منظر اس کے سامنے لہرا دیا....

''ندرت بھن بھی چابی کدھر کھو بیٹھیں اور آپ نہ ہوتے تو ہم آج گھر کے باہر رات گزارتے ماموں۔'' وہ چھوٹے باغیچے والے گھر کے دروازے پہ کھڑے تھے فارس پنجوں کے بل بیٹھا لاک میں pick گھسا رہا تھا اور کم عمر سعدی ستائشی انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''ویسے بغیر چابی کے کیا کوئی لاک اتنی آسانی سے کھل سکتا ہے؟''

''ابھی دنیا میں وہ لاک نہیں بنا جو توڑا نہ جاسکے۔ ادھر غور سے دیکھو میں یہ کیسے کر رہا ہوں۔''

''میں سیکھ کر کیا کروں گا؟'' کم عمر لڑکے نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔ فارس نے سر اٹھا کر تندہی سے اسے دیکھا۔

''کبھی کہیں لاکڈ ہو جاؤ تو باہر تو نکل سکو گے۔ اب دیکھو...'' وہ بتانے لگا۔ ''یہ سمپل لاک ہے۔ چھے pins ہیں اندر۔ اس کی چابی کے ایسے دانت ہوتے ہیں جو اندرونی سانچے میں فٹ ہو جاتے ہیں' تم چابی گھماؤ تو pins آگے سرک جاتی ہیں اور لاک کھل جاتا ہے۔''

سعدی ساتھ بیٹھ گیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ ''یہی کام تم چابی کی جگہ اس سادہ pick (ننھی سی لوہے کی اسٹک) سے بھی کر سکتے ہو۔ باری باری ہر پن کو سرکاتے جاؤ، ون' ٹو' تھری....'' اس کی انگلیاں مہارت سے چل رہی تھیں۔ ''فور' فائیو' سکس' کلک!''

کلک کی آواز آئی' لاک کھلا تو وہ چونکا۔ پیانو کی دھن غائب ہوئی۔ ارد گرد منظر نامہ بدلا۔ وہ اندھیرے پورچ میں کھڑا تھا۔ دروازہ کھل چکا تھا۔ (امید کرتا ہوں سعدی کہ جو کچھ میں نے تمہیں سکھایا تھا وہ تمہیں یاد ہو۔) دونوں ساتھ ساتھ اندر آئے۔

''میں اپنا کام کرتا ہوں' آپ تب تک بیڈروم میں جا کر ان کے دراز وغیرہ چیک کریں۔'' وہ بیگ کندھے سے اتارتا ڈرائینگ روم کی طرف جاتے کہہ رہا تھا۔ زمر نے رک کر اسے دیکھا۔

''مجھے آرڈر مت دو۔ مجھے پتہ ہے مجھے کیا کرنا ہے۔''

فارس نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔ ''بہت بہتر!'' اور آگے بڑھ گیا۔

وہ بیڈروم میں آئی۔ چند منٹ لگے اسے تمام دراز' الماریوں کے کاغذات دیکھنے میں۔ فارس کی دی گئی چابیوں میں سے کوئی نہ کوئی چابی ہر دراز اور لاکر میں لگ رہی تھی۔ چند ایک کی کیمرہ سے پکچرز لیں۔ پھر واپس ڈرائینگ روم کی چوکھٹ تک آئی تو وہ پنجوں کے بل زمین پہ

بیٹھا' اپنا کام کر رہا تھا۔

اسے مصروف دیکھ کر زمر اس کھلے سے اسٹڈی روم میں آئی جو ڈاکٹر ایمن کے ہوم کلینک کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔ اندر آتے ہی وہ تیزی سے الماریوں کی طرف لپکی۔ جس شے کی اسے تلاش تھی' وہ ڈھونڈنے میں چند منٹ لگے۔ ایک الماری' جس میں درازوں کی طرح خانے تھے' اس میں پیشنٹ نوٹس رکھے تھے۔ فائلز اور آڈیو سی ڈیز۔

''جی۔۔۔جی۔۔۔جی۔'' وہ حروفِ تہجی کے اعتبار سے آرگنائزڈ فائلز پہ انگلی پھیرنے لگی۔ پھر رکی۔ ای ایف جی۔۔۔جی سے غازی۔ فارس غازی۔ اس نے فائل نکالی۔ اندر چند سی ڈیز بھی تھیں۔

(اور ڈاکٹر ایمن نے کورٹ میں کہا تھا کہ اس نے کبھی غازی کے سیشن ریکارڈ نہیں کیے' مگر یہ جھوٹ تھا۔) اس نے باکس میں سے سی ڈیز نکال کر اپنے پرس میں منتقل کیں۔ پھر ایک دوسرے مریض کی سی ڈیز اس باکس میں ڈال دیں اور اسے واپس فارس کے فولڈر میں رکھ کر دراز بند کرتی مڑی ہی تھی کہ.....

''چلیں!'' وہ چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ زمر کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی۔ کمرے میں نیم اندھیرا تھا پھر بھی وہ اس کا قدرے بوکھلایا چہرہ دیکھ چکا تھا۔

''کیا ہوا؟'' غور سے اس کو دیکھا۔ اس نے اس کو سی ڈیز نکالتے نہیں دیکھا تھا۔

''تم نے اپنا کام کر لیا؟'' وہ خود کو نارمل کرتی آگے آئی۔ ''میرا مطلب ہے' ایک اور الیگل کام؟''

فارس کے لب بھنچ گئے۔ ''آپ آ رہی ہیں یا آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں؟''

وہ اب تک نارمل ہو چکی تھی' اس بات پہ سلگ کر سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اور نیم اندھیرے میں چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم یہ ظاہر کرنا چاہ رہے ہو کہ مجھے ادھر چھوڑ کر جا سکتے ہو؟''

فارس کے لبوں پہ مدھم مسکراہٹ رینگی۔

''اور آپ کے خیال میں، میں آپ کو ادھر چھوڑ کر کیوں نہیں جا سکتا؟''

وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

''کیونکہ میں تمہاری بیوی ہوں۔ تم اپنی بیوی کو جان سے تو مار سکتے ہو' مگر اس کو یوں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھتی دو قدم آگے آئی۔ ''کیونکہ تم اپنے ابو کی طرح نہیں بننا چاہتے۔''

فارس کی مسکراہٹ غائب ہوئی' چہرے پہ سنجیدگی اتری۔ ''چلیں!'' اور بیگ کندھے پہ ڈالتا آگے بڑھ گیا۔ وہ گہری سانس لے کر (شکر) اپنے پرس کو مضبوطی سے تھامے اس کے پیچھے آئی۔

اور حسبِ معمول کچھ دیر بعد وہ کار میں بیٹھے سرسری اور خشک انداز میں بات کر رہے تھے۔ زمر اس کو بنائی گئی تصاویر دکھا رہی تھی۔

''تم نے جو ان کے بینک اکاؤنٹس کی ڈیٹیلز نکالی تھیں' ان اکاؤنٹس کے علاوہ کوئی اور چیک بک نہیں نظر آئی مجھے۔ میرا خیال ہے' یہ ان کے واحد اکاؤنٹس ہیں۔''

''لیکن ان میں کوئی پیسے نہیں ٹرانسفر ہوئے۔ سعدی والے واقعے سے اب تک۔ مطلب کوئی لمبی چوڑی رقم نہیں۔ بلکہ صرف نکلوائے گئے ہیں۔'' وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ زمر نے ایک اور تصویر سامنے کی۔

''وہ جو ڈائمنڈ ٹاپس ڈاکٹر ایمن نے پہن رکھے ہیں' ان کا انِ وائس بھی لاکر میں موجود تھا' جو بڑی رقم نکلوائی گئی تھی' وہ انہی کے لئے تھی۔''

''ایسا نہیں ہوسکتا کہ سعدی کے بدلے انہوں نے ڈاکٹر بخاری کو کچھ نہ دیا ہو۔ کچھ تو دیا ہے کہ وہ مالی طور پہ اتنے بے فکر ہوگئے ہیں کہ مہنگے تحفے خرید رہے ہیں۔''

ہال آ گیا تھا، وہ کار کھڑی کرنے لگا۔ یہ ہال پانچ منٹ کی ڈرائیو پہ تھا اور زمر کے کہنے پہ لڑکوں نے ڈاکٹر بخاری کی ہی ہاؤسنگ سوسائٹی میں بک کروایا تھا۔

''فارس ہم کیوں یہ فرض کر رہے ہیں کہ ان کو صرف پیسے ہی دیے جاسکتے ہیں؟ ہوسکتا ہے کچھ اور دیا ہو۔ کوئی فیور، کوئی سفارش۔''

''میں کل چیک کرتا ہوں۔'' وہ سر ہلا کر نکلنے لگی جب وہ آہستہ سے بولا۔

''میری بیوی نے آخری ملاقات میں آپ سے کیا کہا تھا؟''

زمر نے مڑ کر اسے دیکھا' اس کی نظریں ونڈ اسکرین پہ جمی تھیں۔ (آخری ملاقات؟) اس کے اندر ابال سا اٹھنے لگا جسے بمشکل دبایا۔

''یہی کہ وہ تم سے نفرت کرتی ہے' اور تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' وہ بے بسی بھرے غصے اور عجلت میں کہتی نکل گئی۔ اسے دیر ہو رہی تھی' حنہ نے پتہ نہیں کیسے سنبھالا ہو سب۔ اور یہ کہتے ہوئے اس نے فارس کا چہرہ نہیں دیکھا جو ایک دم بہت ڈسٹرب لگنے لگا تھا۔

جب وہ ہال میں واپس پہنچا تو حنین' جو ابھی تک تقریر کر رہی تھی' ان کو باری باری آتے دیکھ کر جلدی سے ''دیٹس آل'' کہہ کر نیچے اتر آئی۔ ہال تالیوں سے گونجنے لگا۔ وہ اتنا اچھا بولی تھی کہ کچھ لوگ کھڑے ہو کر تالیاں بجا رہے تھے۔ احمر شفیع بھی انہی میں سے ایک تھا۔

(ماننا پڑے گا، غازی کے خاندان میں کوئی نارمل نہیں ہے۔)

وہ واپس آ کر بیٹھی تو زمر' جو اپنی کرسی پہ بیٹھی تالیاں بجا رہی تھی' آہستہ سے بولی۔ ''آئی ایم سوری' میں نے تمہیں اس پوزیشن میں ڈالا کہ....''

''ایکچوئلی تھینک یو زمر!'' حنہ نم آنکھوں سے اسے دیکھتے مسکرائی۔ ''مجھے لگا آج بہت دن بعد بھائی سے باتیں کی ہیں۔'' ایک دم گڑبڑا کر رکی۔ ''مطلب زمر پھپھو!'' لاحقہ لگا کر خفت سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

زمر صرف مسکرا دی۔ فارس خاموشی سے دور بیٹھی ڈاکٹر ایمن کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تمام رسمیں ہی توڑ دی ہیں، میں نے آنکھیں ہی پھوڑ دی ہیں

زمانہ اب مجھ کو، مرا آئینہ بھی دکھائے تو کچھ نہ پائے

چند دن مصروف سے گزرے، وہی روٹین والی زندگی۔ اور پھر ایک چمکیلی صبح ہاشم کاردار کے آفس کے باہر حلیمہ فون پہ کسی کو ہدایات دیتی نظر آ رہی تھی۔ بند دروازے کی نچلی درز سے اندر جاؤ تو ہاشم پاور سیٹ پہ ٹیک لگائے براجمان تھا اور سامنے کرسی پہ بیٹھا نوشیرواں برا منہ بنائے کہہ رہا تھا۔

''طبیعت آپ کی خراب ہوئی، شامت میری آ گئی۔ مطلب اب مجھے روز آفس آنا پڑے گا؟''

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ ''نہیں، میں بوڑھا نہیں ہو رہا۔ لیکن تم بھی اب بچے نہیں رہے۔ تمہاری کمپنی اب تمہارے حوالے ہے۔ تم اس کو کہاں لے جاتے ہو، یہ تم پہ منحصر ہے۔'' ذرا رکا۔ ''اب سعدی تھر کول میں نہیں ہے۔ یہی وقت ہے جب ہم پراجیکٹ لے سکتے ہیں۔'' نوشیرواں کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ ''بھائی یار، ایک اس کے نہ ہونے سے تھر کول کا کیا بگڑے گا۔''

ہاشم میز سے ایک کرسٹل بال اٹھا کر انگلیوں میں گھماتے مسکرایا۔ ''تم میری بات نہیں سمجھے۔ وہ ان کی سائیڈ پہ نہیں ہے، وہ ہماری سائیڈ پہ ہے۔''

نوشیرواں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''وہ ہمارے لئے کبھی کام نہیں کرے گا۔''

''کرے گا۔ اس کی بہن اس کی کمزوری ہے۔ میں نے اسے سے حوالے سے اچھا خاصا خوفزدہ کر دیا ہے۔''

''آپ کیا کریں گے اس کی بہن کا؟''

ہاشم نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''وہ چھوٹی بچی ہے، مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔ مگر اسے ہاتھ میں رکھنا ضروری ہے۔ وہ سعدی کی واحد وارث ہے۔ سعدی کی ماں کو تو رہنے دو، اس کو insane قرار دینا آسان ہے۔''

''بھائی۔'' شیرو الجھ کر سوچنے لگا۔ ''اگر... بالفرض.. اس چھوٹی لڑکی کو کچھ ہو جائے، مطلب کہ یہ مر ور جائے، تو حق قصاص کا کیا ہو گا؟''

''حقِ قصاص منتقل ہو جائے گا۔ اس لڑکی کے شوہر کو۔''

وہ چونکا۔ ''اور شوہر چاہے تو معاف کر دے؟''

ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''بالکل۔''

نوشیرواں نے ستائش سے ابرو اکٹھے کیے۔ ''واؤ۔ انٹرسٹنگ۔ اس کو واقعی ہاتھ میں رکھیں پھر۔ مگر آپ کہہ رہے تھے کہ کئی دن سے اس نے آپ کو ٹیکسٹ نہیں کیا۔''

''کیونکہ میں نے اسے ٹیکسٹ نہیں کیا۔ جس دن میں کروں گا۔ وہ فوراً جواب دے گی۔ کیا تم لڑکیوں کو جانتے نہیں ہو؟'' لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوتے اس نے تبصرہ کیا۔ شیرو گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ (واہ۔۔ بھائی کمال کا تھا۔ ایک اس سے تو نہ قتل ٹھیک سے ہوا، نہ ایک

لڑکی ہٹ سکی۔) سینے میں ٹیس سی اٹھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سینکڑوں طوفان لفظوں کے دبے تھے زیرِ لب

ایک پتھر تھا خموشی کا کہ جو ہلتا نہ تھا

انیکسی میں وہ صبح خاموش سی پھیلی تھی۔

لاؤنج میں ابا بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ ساتھ صوفے پہ زمر پیر اوپر رکھے بیٹھی لیپ ٹاپ گود میں رکھے' کانوں میں ائیر فونز لگائے ہوئے تھی۔ اسکرین پہ جو ونڈو کھلی تھی اس سے ظاہر تھا کہ وہ فارس کے آڈیو سیشنز سن رہی تھی۔ بہت سے سن لئے تھے اور بہت سے رہتے تھے۔ پچھلے کچھ دنوں سے اس کا یہی معمول تھا۔ جب وقت ملتا، اسی طرح بیٹھ کر اس کی باتیں سنتی رہتی۔ پتہ نہیں کیوں عادت سی ہوتی جا رہی تھی اس کی آواز کی۔

ابا مسلسل خاموشی سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہے تھے۔ وہ ان آوازوں سے بے خبر تھے جو زمر کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔

''تمہیں اپنی بیوی سے محبت تھی؟'' ڈاکٹر ایمن پوچھ رہی تھی۔ زمر کے ابرو سکڑے' ابا نے محسوس کیا وہ دھیان سے سننے لگی ہے۔

''وہ میری بہت اچھی دوست تھی' انڈر سٹینڈنگ تھی' ہمارے درمیان ہمدردی' خیال کا رشتہ تھا' اور کیا ہوتی ہے محبت؟''

''مطلب کہ محبت نہیں تھی۔''

''وہ مجھے بہت اچھی لگتی تھی' اور میں اس کو بہت مس کرتا ہوں' جیل میں تو بہت زیادہ۔ آپ کو اس لیے بتا رہا ہوں کیونکہ میں صرف سچ بولنا چاہتا ہوں، اور میرا سچ آپ کے علاوہ کوئی سننا نہیں چاہتا۔''

''تمہیں کسی اور سے محبت تھی' ہے نا؟''

''مجھے جج کیوں کر رہی ہیں آپ؟'' وہ دھیما سا بولا تھا۔

''یہ میری جاب ہے۔ تمہارے اندر کے خیالات باہر لانا۔ مگر یہ محفوظ رہے گا۔ تم جانتے ہو' confidentiality کے پانچ C..''

''واٹ ایور!''

''تو اس سے شادی کیوں نہیں کی جس سے محبت تھی؟''

چند لمحوں کی خاموشی چھائی رہی۔ زمر کو بے چینی ہوئی' کہیں آگے ٹیپ بلینک تو نہیں؟ مگر پھر فارس کی آواز ابھری۔

''ہو نہیں سکی۔''

''اس نے انکار کر دیا؟''

''پتہ نہیں۔''

(اُف اُس کو کیا مسئلہ ہے' ٹھیک سے بتاتا کیوں نہیں ہے؟ بات گھمائی ضرور ہے؟) وہ چڑی۔

''کبھی بتایا اس کو؟''

ذرا وقفہ ہوا۔ ''میرا سر بھاری ہو رہا ہے۔ یہ کس چیز کا انجیکشن تھا۔'' ایک دم زمر چونکی۔

''تمہاری اجازت سے لگایا ہے' یہ..truth serum تھا۔ میں چاہتی تھی' تم سچ بولو۔''

زمر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ وہ اس کی آواز میں تکلیف محسوس کر سکتی تھی۔ (کیا ڈاکٹر نے اس کو سائیکوایکٹو ڈرگز دے کر اعتراف کروایا تھا؟) فارس سے سارے اختلاف اپنی جگہ' اس کا اعتراف قتل سننے کا اشتیاق اپنی جگہ' مگر اس کے اندر کی انصاف پسند لڑکی کو کچھ بہت برا لگ رہا تھا۔

''آئندہ مجھے یہ انجیکٹ مت کیجئے گا۔'' وہ نیم غنودگی میں بول رہا تھا۔ ''جو پوچھنا ہے ایسے ہی پوچھ لیا کریں۔''

''اوکے' اس لڑکی کا بتاؤ' اسے کبھی بتایا یا نہیں؟''

''نہیں۔'' اس کی آواز آہستہ آہستہ ڈوبتی جا رہی تھی۔

''کبھی کوشش کی؟''

''کی تھی۔''

''کیسے؟''

''میں نے اسے... ایک ہیرا دیا تھا۔''

وہ جو چہرے پہ اذیت لیے سن رہی تھی' ایک دم ٹھہری گئی۔ بالکل مبہوت۔

''کون تھی وہ؟''

''میرے نروز بہت مضبوط ہیں' ڈاکٹر۔ جو نہیں بتانا چاہتا۔ نہیں بتاؤں گا۔'' آواز ہلکی اور غنودہ تھی۔ چند لمحے کی خاموشی۔

''فارس' تم نے اپنے بھائی کا کیوں قتل کیا؟'' نرمی سے پوچھا۔

''میں نے نہیں کیا۔'' گہری سانس لینے کی آواز۔

''اوکے۔ تم سو جاؤ۔'' چند منٹ کی خاموشی کے بعد سیشن ختم ہو گیا۔ وہ متحیر' ابھی حیران سی بیٹھی رہی۔ پتہ نہیں اس کا دل کس بات پہ دکھا تھا۔ اور حیرت کس بات پہ تھی۔

''چھوڑو زمر۔ اس کو لڑکیوں میں ہیرے بانٹنے کی عادت ہے؟ ایک اپنی ٹیچر کو دیا' ایک اس لڑکی کو' اور زرتاشہ کا ولیمے کا سیٹ بھی ڈائمنڈ کا تھا۔ ہونہہ!'' ایئر فونز اتارتے ہوئے وہ تکلیف میں ڈوبی آواز کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''اچھا بالفرض وہ میری بات کر بھی

رہا تھا تو وہ تب کی بات تھی۔ اب تو میں اس کی دشمن ہوں۔"

''کیوں پریشان ہو؟'' ابا کی آواز پہ وہ چونکی۔ وہ اسی کو دیکھ رہے تھے۔ اس نے سر جھٹکا۔

''بس.... ایک پرانا کیس اسٹڈی کر رہی تھی۔'' اٹھ کر چیزیں سمیٹنے لگی۔ انہوں نے بیاسیت سے اسے دیکھا۔

''کتنے عرصے سے ہم نے بات نہیں کی۔ تمہارے پاس اب وقت نہیں ہوتا زمر!''

وہ ٹھہر گئی۔ دل کو دھکا سا لگا۔ ''ایسا نہیں ہے۔ میں سعدی والے معاملے میں الجھی رہتی ہوں۔ ورنہ.... آپ کو پتہ ہے آپ پہ طنز کرنے کا موقع میں چھوڑا نہیں کرتی۔'' زرسان سے کہتی ان کے قریب آ بیٹھی۔ وہ دھیما سا مسکرائے۔

''سعدی مل جائے گا۔ میں بہت دعا کرتا ہوں۔ دنیا میں ایسا کچھ نہیں ہے جو دعا سے نہ مل سکتا ہو۔''

وہ اداسی سے مسکرائی۔ تبھی فون بجا۔ نمبر دیکھا تو اس دن وہ واقعی اسے اچنبھی لگا۔ ''سوری ابا! مجھے یہ کال لینی پڑے گی۔''

''کوئی بات نہیں۔'' انہوں نے گہری سانس بھری۔ اب وہ بات کرتی سیڑھیوں پہ چڑھتی جا رہی تھی۔

''مسز زمر، میں اسی ہوٹل سے آ رہا ہوں۔'' وہ بتا رہا تھا۔ ''تصاویر میں نیچے ایک ہورڈنگ بورڈ نظر آ رہا ہے۔ پورے ہوٹل میں اوپر نیچے صرف نو ایسے کمرے ہیں جن سے یہ اینگل بن سکتا ہے۔''

''آپ نے نو کے نو کمرے دیکھے؟''

''جی۔ مگر پکچرز اسی کمرے سے لی گئی ہیں جس سے آپ پہ فائرنگ کی گئی۔''

''کیسے؟'' زمر نے بات کاٹی۔ (اف، اس کے معالج کو سو درے تو لگنے چاہئیں۔) مگر بظاہر تحمل سے بولا

''دیکھیں، تصویر میں کھڑکی کے پٹ پہ ایک نشان سا ہے، کیل وغیرہ ٹھونک کر نکالنے کا۔ یہ نشان مجھے ان نو کمروں کی کسی کھڑکی پہ نہیں ملا۔ سوائے اسی کمرے کے۔ اب پینٹ کی وجہ سے ڈھک گیا ہے لیکن موجود ہے۔''

''یعنی ہمارا ٹرافی کلیکٹر بھی اسی کمرے میں موجود تھا۔ تو وہ فارس کے جانے کے بعد آیا ہو گا؟''

''نہیں، وہ کافی دیر سے یہاں تھا۔''

''احمر میں بہت احسان مند ہوں گی اگر آپ ایک ہی سانس میں پوری بات بتا دیں۔'' وہ اکتائی۔

(یہ ہوئے پورے ایک سو پچاس درے!)

''تصاویر میں کھڑکی کے شیشے میں جو عکس پڑ رہا ہے، اس میں میز کے اوپر گرے ایش ٹرے نظر آ رہی ہے۔ زوم کر کے دیکھا ہے میں نے۔ مگر ہوٹل کی کراکری میں تمام ایش ٹریز، اب بھی اور تب بھی، شفاف شیشے کی ہیں۔ سو غور کیا تو معلوم ہوا کہ ایش ٹرے سگریٹ کی راکھ سے بھرے ہونے کے باعث گرے لگ رہی ہے۔ یعنی ہمارا ٹرافی کلیکٹر کافی دیر سے بیٹھا انتظار کرتے ہوئے سگریٹ پھونک رہا تھا۔ چین اسموکر ہے وہ۔ اور غازی سگریٹ نہیں پیتا۔''

زمر چند لمحے خاموش رہی۔ ”یعنی وہ فارس کے ساتھ تھا؟“

”یا شاید غازی اس کے ساتھ تھا ہی نہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اسے واقعی فریم کیا گیا ہو۔“

”اس کو بے گناہ مت سمجھیں‘ اس نے یہ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے۔“ مگر لہجہ اتنا سخت اور مضبوط نہیں تھا۔

”مجھے اس ٹرافی کلیکٹر کے بارے میں مزید کچھ ٹھوس معلوم کر کے دیں۔ آپ نہ بھی کر سکیں تب بھی آپ کی فو میج آپ کو دے دوں گی۔“ احمر کے اندر تک ٹھنڈی پڑ گئی۔ (چلو پچاس درے واپس لیے!)

وہ فون رکھ کر آئی تو ابا کو سیم لان میں لے جا رہا تھا۔ اور فارس باہر سے آ رہا تھا۔ زمر نے جلدی سے آ کر اپنا لیپ ٹاپ آف کیا۔ وہ سیدھا اس تک آیا۔

”آپ کا اندازہ درست تھا۔ ڈاکٹر بخاری کو سعدی کو غائب کرنے کے لیے کوئی رقم نہیں دی گئی۔“ وہ چند کاغذات اس کی طرف بڑھاتے بولا۔ ”مگر ایک ماہ قبل کچھ فارن ڈونرز نے ہسپتال کے لیے مشینری عطیہ کی ہے۔“

”سارا پیپر ورک کلین ہے۔ قانونی طور پہ اب ان کو کوئی نہیں پکڑ سکتا۔“ وہ کاغذات الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا، ایسی مسکراہٹ جس میں شدید تپش تھی۔

”قانون کی بات بھی کون کر رہا ہے؟ اس وقت جج، جیوری اور جلاد، فارس ظہیر غازی ہے!“ سینے پہ انگلی سے دستک دی، اور اوپر چڑھتا گیا۔ زمر نے بے اختیار مڑ کر اسے دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں بڑھتا ہوں زندگی کی جانب لیکن

زنجیر سی پاؤں میں چھنک جاتی ہے

ان سے دور‘ اس سینڈ کلر دیواروں والے کمرے میں وہ بیڈ پہ پیر اوپر کر کے بیٹھا تھا۔ اپنے قرآن کو ہاتھ میں لئے‘ وہ سرورق پہ ہاتھ پھیرتا کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر چہرہ اٹھایا۔ قرآن کھولا۔ پانی کے جگ کو دیکھا جو سائیڈ ٹیبل پہ دھرا تھا۔ اس میں اپنا عکس نظر آیا۔ گردن کے نشان واضح تھے‘ باقی سب کچھ مندمل ہو چکا تھا۔ اس نے گننے کی کوشش کی۔ یہ اگست کے آخری دن تھے۔ اسے تین ماہ ہو چکے تھے اس قید میں۔ خیر۔ میرا وقت بھی آئے گا۔

نظر میری پہ پڑی جو سامنے کاؤچ پہ بیٹھی تھی۔

”تم نے کیا کیا تھا جو مسز کاردار نے نوکری سے نکالا؟“

”روز روز یہ سوال مت دہرایا کرو۔“ اکتا کر میگزین لیے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ اسے اس کو باہر ہی نکالنا تھا سو اب آرام سے توجہ قرآن کی طرف مبذول کی۔

''میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔''

اس روز وہ چیونٹی والا قصہ پورا بھی نہیں پڑھ پایا تھا' جب مایا نے اسے انجکشن دیا تھا۔ پھر بعد میں صرف ناظرہ تلاوت کرتا رہا کچھ دن۔ کہاں تھا وہ تفسیر میں؟ مطلوبہ آیت ڈھونڈ کر زیرِ لب پڑھنے لگا۔

''تو (سلیمان) مسکرا دیے ہنستے ہنستے' اس (چیونٹی) کی بات پر....'' سعدی وہیں رکا۔

''مسکرا دیے ہنستے ہنستے؟ پتہ ہے کیا' اللہ میں نے بہت دفعہ سوچا کہ ان الفاظ کی کیا ضرورت تھی قرآن میں؟ دیکھیں نا' یہ تو افسانہ نگار کرتے ہیں' کرداروں کے چہرے کے تاثرات' ہنسی' وغیرہ بتانا۔ قرآن میں مگر کچھ بھی ایکسٹرا نہیں ہوتا۔ تو اس کی وجہ....خیر وجوہات تو بہت سی ہوں گی' مگر مجھے یہ سمجھ آیا کہ دیکھیں' یہی قصہ تورات میں یوں لکھا ہے' کہ چیونٹی کی بات سے سلیمان علیہ السلام کو غصہ آیا' انہوں نے اسے پٹخ دیا' وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس آیت نے دوسری آسمانی کتابوں میں درج اس مسخ شدہ قصے کو گویا کینسل کر دیا' اور بتایا کہ آپ کے انبیاؑ کتنے پیارے اور نرم دل لوگ تھے۔'' نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ''اور دوسری بات' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کہ ''وہ ہنستے ہنستے مسکرا دیے''۔ میں نے ان دو الفاظ پہ غور کیا تو یہ لگا کہ خالی ''وہ مسکرا دیا'' بھی کہا جا سکتا تھا۔ پھر ''ہنستے ہنستے مسکرا دیا'' کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر احساس ہوا کہ غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کی بات نے اتنا لطف دیا تھا کہ وہ ہنسنے کو تھے' مگر ضبط کر کے صرف مسکرا دیے۔ انبیاؑ بہت مسکرانے والے لوگ تھے' مگر ان کے مسکرانے میں بھی میچور ہوتے تھے' گریس تھی' وقار تھا۔ وہ اونچا قہقہہ نہیں لگاتے تھے' ایسے نہیں کہ حلق کا کوا نظر آئے' اسی لئے ان کے دل زندہ تھے۔ کیا کوئی ہے جو میرے انبیاؑ کا مقابلہ کر سکے؟'' ان قدیم قصے کہانیوں کو پڑھتے ہوئے وقت کا احساس ختم ہو جاتا تھا۔ وہ اپنا کمرہ' گھٹن' ان تین ماہ کی اذیت' ہاشم کی باتیں' سب بھولتا جا رہا تھا اور پڑھتا جا رہا تھا۔

''پھر (سلیمان) اس کی بات سے ہنستے ہنستے مسکرا دیے اور کہنے لگے' اے میرے رب' مجھے توفیق دے کہ میں آپ کے احسان کا شکر کروں جو آپ نے مجھ پہ کیا اور میرے ماں باپ پہ کیا اور یہ کہ میں وہ نیک کام کروں جو آپ پسند کریں اور مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کر لیں۔''

''ہوں!'' اس نے تھکی ہوئی سانس لی۔ ''سو....سلیمان علیہ السلام نے احسان کا شکر کرنے کا کہا تو....اپنے ماں باپ کا ذکر کیوں کیا؟ ایک منٹ۔'' گھنگریالے بالوں والا لڑکا ہونٹ دبا کر سوچنے لگا۔ ''وہ چیونٹی کی ذہانت پہ مسکرائے تھے' بات تو چیونٹی کی ہو رہی تھی' تو سلیمان علیہ السلام کو اپنے ماں باپ کا خیال کیوں آیا؟ شاید اس لئے کہ....'' وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''یہ ماں باپ ہی ہوتے ہیں جو اولاد کو یہودی' عیسائی یا مسلمان بناتے ہیں' نمازی یا بے نمازی بناتے ہیں' ورنہ پیدا تو ہر کوئی اللہ کی فطرت پہ ہوتا ہے۔ یعنی کہ....شکر ادا کرنا بھی ''توفیق'' سے ملتا ہے۔ ''توفیق'' بھی ''دعا'' سے ملتی ہے۔ مطلب کہ دنیا میں ہر چیز دعا سے ملتی ہے۔ اگر دعاؤں سے یقین اٹھ جائے تو اس ''یقین'' کے لئے بھی دعا مانگی جاتی ہے۔ اور دیکھیں اللہ' سلیمان علیہ السلام تو پیغمبر تھے۔ وہ آل ریڈی اتنے نیک تھے۔ پھر بھی دعا کر رہے ہیں کہ اللہ آپ مجھے نیک بندوں میں شامل کر لیں۔ اور پھر وہ نیک کام جو اللہ آپ پسند بھی کریں۔'' کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اسے

احساس بھی نہیں تھا کہ وہ دل میں بول رہا ہے یا زبان سے کہہ رہا ہے۔ ''اللہ تعالیٰ، میں اکثر دیکھتا ہوں، لوگ میوزک شوز منعقد کر کے چیریٹی جمع کرتے ہیں، اب کوئی مانے یا نہ مانے، موسیقی کی اجازت اللہ آپ نے ہمیں نہیں دے رکھی اور کسی کے نہ ماننے سے حرام، حلال نہیں ہو جائے گا' سو انسان کو نیک کام کرتے وقت سوچنا چاہیے کہ یہ اللہ کے اصولوں کے مطابق ہے بھی یا نہیں؟ ورنہ جیسے اللہ آپ نے کہہ رکھا ہے کہ بعض اوقات اللہ گناہ گاروں سے بھی دین کا کام کروالیتا ہے۔ یعنی کہ اگر نیت یا طریقہ درست نہ ہو تو ہم بہت عمل کرنے والے مگر صرف تھکنے والے ہوں گے؟ عاملة ناصبه؟ اف! میں صرف ڈرانے والی باتیں کیوں سوچتا اور کرتا ہوں؟'' جھرجھری لی۔ ''شاید اس لئے کہ مجھے لگتا ہے ہر وقت لوگوں کو اور خود کو 'سب معاف ہو جائے گا'' اور ''جنت کی حوروں'' کا کہہ کہہ کر سلائے رکھنا نقصان دہ ہوتا ہے۔ بار بار انسان کو Reality check ملتے رہنا چاہیے۔''

خیر... وہ اگلی آیت کی طرف بڑھا۔

''اور (سلیمانؑ نے) پرندوں کی حاضری لی تو کہا' کیا بات ہے جو میں ہدہد کو نہیں دیکھتا؟ کیا وہ غیر حاضر ہے؟ میں سے سخت سزا دوں گا' یا اسے ذبح کروں گا یا وہ میرے پاس کوئی واضح دلیل لے کر آئے۔''

''تو ثابت ہوا اللہ کہ حسنِ اخلاق اور چیز ہے، اور ڈسپلن کے لیے سخت اصول بنانا اور چیز ہے۔' خیر... نگاہیں اگلی آیت پہ جمائیں۔

''پھر تھوڑی دیر بعد ہدہد حاضر ہوا اور کہا کہ میں حضور کے پاس وہ خبر لایا ہوں جو حضور کو معلوم نہیں اور لایا ہوں ملکِ سبا سے یقینی خبر۔ میں نے ایک عورت کو پایا ہے' جو ان پہ حکمرانی کرتی ہے (ملکہ سبا) اور اسے ہر چیز دی گئی ہے اور اس کا بڑا سا تخت ہے۔ میں نے پایا ہے کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کو ان کے اعمال خوبصورت کر کے دکھائے ہیں اور انہیں راستے سے روک دیا ہے، سو وہ درست راہ پہ نہیں چلتے۔''

اس دلچسپ قصے کو پڑھتے پڑھتے وہ ان الفاظ پہ ٹھہرا۔

''شیطان نے ان کے اعمال ان کو خوبصورت کر کے دکھائے ہیں؟ مطلب کہ یہ مسئلہ کیا ہے شیطان کے ساتھ؟'' ایک دم سے اسے بہت سارا غصہ آیا۔ ''کیا یہ انسان کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا؟ ہمیں بری چیزیں اچھی بنا کر دکھانا ترک نہیں کر سکتا؟ ہم سکون سے اللہ کی عبادت کیا کریں' شکر کیا کریں۔ حلال کھائیں' لوگوں سے بھلائی کریں' آپ نا شیطان کو لاک اپ کر دیں کبھی اور....' بولتے بولتے وہ رکا۔ ''اور... رمضان میں یہی تو ہوتا ہے مگر... پھر بھی....'' نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔

''اچھا سوری' یہ شیطان کو لاک اپ والی بات واپس لیتا ہوں میں۔ خواہ مخواہ ایموشنل ہو گیا میں۔'' سر جھٹک کر آیات کی طرف دھیان دیا۔

وہاں ہدہد کہہ رہا تھا،

''اللہ ہی کو کیوں نہ سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے؟ اور جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو' سب کو وہ جانتا ہے۔ اللہ ہی ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔''

''ویسے اللہ تعالیٰ...'' وہ ستائش سے کہنے لگا۔ ''ایک بات ہے۔ہُد ہُد بہت ہی سیانا تھا۔مطلب کہ...ہُد ہُد...ایک پرندہ...ملکہ سبا کے عظیم الشان تخت کو دیکھ کر بھی وہ 'اللہ' آپ کا وہ عرشِ عظیم نہیں بھولا جو اس نے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ایک ننھا سا پرندہ بھی دل کا ایسا بادشاہ ہے کہ اس کو ملکہ کی شان وشوکت نے یوں مبہوت نہیں کیا کہ وہ اللہ کو بھول جائے۔مگر ہم کیا کرتے ہیں؟ کسی لش پش چمکتے مال میں آجائیں' کسی سیون اسٹار ہوٹل کے فنکشن میں چلے جائیں تو دولت کی ریل پیل نگاہوں کو یوں خیرہ کر دیتی ہے کہ ہم سب بھول جاتے ہیں۔اکثر اچھی اچھی عبایا یا اسکارف کرنے والی لڑکیاں یورپ یا امریکہ چلی جائیں تو ایک ہفتے میں حجاب اتر جاتا ہے۔وہ مغربی لباس کو اپنا لیتی ہیں۔میں سوچتا ہوں' ملک بدلنے سے اللہ تو نہیں بدلتا۔دین تو نہیں بدلتا۔ایک پرندے کو بھی جو بات پتہ ہے' وہ ہمیں کیوں بھول جاتی ہے؟''

وہ کچھ دیر یونہی بیٹھا بڑبڑاتا رہا۔کڑھتا رہا۔پھر قرآن رکھا' دعا مانگی۔ ''مجھے کم از کم اتنا مضبوط تو کر دیں جتنا وہ ہد ہد تھا۔دل کا بادشاہ۔'' اور یہ تو سعدی یوسف کی 25 سالہ زندگی کے تجربوں کا نچوڑ کہتا تھا کہ قرآن پڑھنے کے بعد مانگی جانے والی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔سو دعا مانگ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔دیوار پہ لگے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔وہ نیلی جینز اور سیاہ شرٹ میں ملبوس تھا۔چہرہ قدرے کمزور مگر آنکھیں سنجیدہ لگتی تھیں۔خود کو دیکھتے وہ سوچتا رہا۔سوچتا رہا۔پھر دروازہ بجایا۔میری اور گارڈ اسے کھولتے ہی سامنے نظر آئے۔

''میں کھانا لا رہی ہوں' تم....''

''مجھے ہاشم سے بات کرنی ہے۔ابھی اسی وقت۔اور تم۔'' گارڈ کو دیکھا۔ ''مجھے گھورو مت۔اپنی گن کی نمائش بھی مت کرو میرے سامنے۔مجھے کبھی شوٹ کیا نا تو تمہارا مالک تمہیں شوٹ کر دے گا۔اس کمپاؤنڈ میں اگر کوئی نہیں مرنے والا تو وہ میں ہوں۔اب فون لا کر دو مجھے۔''

میری اس کی ٹون پہ حیران ہوئی مگر بلاں چوں چراں فون لا کر اس کو تھمایا۔ ''وہ لائن پہ ہیں۔یہ صرف وَن وے فون ہے' اس لئے کال بند کر کے کسی اور کو کرنے کی زحمت مت کرنا۔'' ساتھ ہی اسے گھورا۔سعدی نے وہیں کھڑے کھڑے فون کان سے لگایا۔دوسری طرف خاموشی تھی۔

''مسٹر ہاشم کاردار۔سنا ہے اس روز آپ مجھ سے ملنے آئے تھے۔''

''وعلیکم السلام سعدی۔''

''طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔میرے نزدیک السلام وعلیکم ایک دعا ہے' اور دعا وہ آخری چیز ہے جو میں تمہیں دوں گا۔فی الحال تو ہاشم میرے پاس تمہیں دینے کے لئے ایک فہرست ہے۔'' چبا چبا کر کہہ رہا تھا اور ادھ کھلے دروازے میں میری اور گارڈز ہکا بکا کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔انہوں نے اسے اس ٹون میں بات کرتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''میں سن رہا ہوں۔''

''میرا خیال تھا' تمہارا ٹمیسٹ بہت اچھا ہے۔مگر جو کھانا مجھے دیا جاتا ہے' وہ تمہارے کتے بھی نہیں کھاتے ہوں گے' اس لئے آئندہ جو میں

بتاؤں گا‘ وہی میںیو مجھے دیا جائے گا‘ مجھے میری مرضی کی کتابیں‘ پین اور لکھنے کے لئے صاف جرنلز چاہئیں۔ مجھے ایک ٹی وی چاہیے۔ جس پہ میرے ملک کے لوکل چینلز آتے ہوں۔ مجھے کپڑوں کے دس نئے جوڑے چاہئیں‘ اور مجھے واک کرنے کے لئے کوئی جگہ چاہیے۔ اسی کمپاؤنڈ کا کوئی بڑا کمرہ ہو بے شک۔“

”اور کچھ؟“ سنجیدگی سے پوچھا گیا۔

”اور بس اتنا کہ اس روز جو تم نے کیا‘ وہ بزدلانہ حرکت تھی۔ مجھے مفلوج کر دیا کیونکہ تم میرے ری ایکشن سے ڈرتے تھے۔ اتنا بھی کیا ڈرنا ہاشم؟ میں تم پہ تب جھپٹتا‘ جب مجھے تمہارے کسی لفظ کا اعتبار ہوتا۔ مگر تم جھوٹ بول رہے تھے۔ وہ تصویریں اور وہ باتیں تم نے میرا ذہن خراب کرنے کے لئے کہی تھیں۔ اس لئے میں نے ان کو پھاڑ دیا ہے‘ کیونکہ میری بہن نے تم سے کوئی غلط بات نہیں کہی۔ وہ تم سے یو ایس بی کا ہی پوچھ رہی تھی۔ اس لئے میں تمہیں دعوت دیتا ہوں۔ میرے پاس آؤ‘ میرے سامنے بیٹھو‘ اور میرے آنکھوں میں دیکھ کر وہ سب دہراؤ‘ جو تم نے اس دن کہا‘ مگر مجھے مفلوج نہ کرو۔ پھر دیکھو‘ میں کیا جواب دیتا ہوں۔ تمہیں اپنی آفر کا جواب چاہیے نا؟“

”سعدی‘ مجھے تمہاری بہن میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔ میرے نزدیک وہ میری بیٹی کی عمر کی ہے‘ لیکن جو میں نے کہا‘ وہ خالی دھمکی نہیں تھی۔ میں کرنے پہ آؤں تو کچھ بھی کر سکتا ہوں۔“

”فون پہ نہیں ہاشم۔ میرے سامنے‘ میری آنکھوں میں دیکھ کر یہ بات کہنا۔“ اور فون میری کی طرف بڑھا دیا۔ ہاشم نے فون رکھتے ہی انٹر کام اٹھایا۔

”کیپٹن اشعر سے کہو ہفتے کے روز جیٹ تیار رکھے‘ مجھے ملک سے باہر جانا ہے‘ کسی کا دماغ درست کرنا ہے۔“ اپنے پرائیوٹ جیٹ کے پائلٹ کے لئے پیغام دے کر اس نے ریسیور واپس ڈال دیا۔

اور ادھر سعدی کے کمرے میں کھڑی میری نے فون گارڈ کو دے کر جانے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ چلا گیا تو وہ دروازہ بند کر کے چند لمحے اس کو دیکھتی رہی۔

”نیکلیس!“

”کیا؟“ سعدی نے ابرو اٹھائی۔

”میں نے مسز کاردار کا نیکلیس چرایا تھا۔ اسی لئے انہوں نے مجھے نوکری سے نکالا۔“ اور پھر اس کو دیکھے بنا باہر چلی گئی۔ سعدی وہیں کھڑا‘ گہرے سانس لیتا خود کو نارمل کرنے لگا۔ دل کا بادشاہ بننا اتنا مشکل نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

کرو کج جبیں پہ سرِ کفن، میرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرورِ عشق کا بانکپن، پسِ مرگ ہم نے بھلا دیا

وہ رات گرم تھی اور بے رحم۔ ٹھنڈی تھی اور منتقم۔

اس علاقے میں ویران پلاٹ تھے یا فاصلے فاصلے پہ عمارتیں۔ رات کے اس پہر سڑک سنسان تھی۔ تھوڑی دیر پہلے اسٹریٹ لائیٹس بھی اچانک سے آف ہو گئی تھیں۔ ایسے میں ڈاکٹر ایمن کے نو تعمیر شدہ ہسپتال کی عمارت اس وقت اندھیر پڑی تھی۔ دروازے پہ تالہ لگا تھا۔ اور باہر دو گارڈز بیٹھے تھے۔ وہ آپس میں اسٹریٹ لائیٹس کی بات کر رہے تھے۔ پیڈسٹل فین ساتھ ہی چل رہا تھا۔ ایک گارڈ جمائی لیتے ہوئے منہ پہ ہاتھ رکھ ہی رہا تھا کہ دفعتاً اس کے کندھے میں کوئی شے آ کر چبھی۔

چبھن شدید تھی، پھر ہلکی ہوتی گئی۔ جسم کسی خالی بادل کی مانند ہو رہا تھا۔ گردن اور کندھے کے درمیان کوئی سرنج سی چبھی پڑی ہے۔ انکھیوں سے اسے نظر آیا کہ ساتھ والا گارڈ کرسی سے نیچے گرتا جا رہا تھا۔ اس کا اپنا جسم بھی ڈھلک رہا تھا۔ اور اسی ڈھلکی گردن سے اس نے دیکھا۔ دو جوگرز والے پیر اس کے سامنے آ رکے تھے۔ جوگرز سے اوپر جینز نظر آئی اس سے اوپر نہ دیکھ سکا اور غنودگی میں ڈوبتا گیا۔

جینز کے اوپر اس نے سیاہ شرٹ پہن رکھی تھی جس کے آستین کلائی سے بالشت بھر پیچھے ختم ہو جاتے تھے۔ نگاہ اوپر اٹھاؤ تو اس کا چہرہ نظر آتا تھا جو اس وقت پتھریلا سا تھا۔ چھوٹے کٹے بال اور ہلکی بڑھی شیو۔ آنکھوں میں سرد تپش تھی۔ اور پہلو میں گرے ہاتھ میں پستول تھی۔ اندھیرے میں بھی فارس غازی کی ٹھنڈی آنکھوں میں چبھن نظر آتی تھی۔

(''ڈاکٹر ایمن میرے ساتھ دہرایئے۔ میں اللہ کو حاضر ناضر جان کر حلف اٹھاتی ہوں کہ جو کہوں گی سچ کہوں گی، سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گی۔'' تین سال پہلے وہ سفید کرتے میں ملبوس ڈیفنس کی کرسی پہ بیٹھا، سلگتی ہوئی نظروں سے کٹہرے کو دیکھ رہا تھا جہاں کھڑی ڈاکٹر ایمن سے حلف لیا جا رہا تھا۔

''میں اللہ کو حاضر ناضر جان کر کہتی ہوں کہ جو کہوں گی سچ کہوں گی اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گی۔''

''اور عدالت سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔''

''اور عدالت سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔'')

فارس نے پستول پچھلی جیب میں اڑسا۔ جھکا۔ دونوں گارڈز کی گردنوں سے ٹرینکولائزر ڈارٹس darts نکال کر کندھے پہ لٹکے بیگ میں ڈالے۔ پھر ایک کو کندھوں سے گھسیٹتا ہوا سڑک کے اس پار لے جانے لگا جہاں جھاڑیاں تھیں۔

(''کیا آپ اس شخص کو پہچانتی ہیں ڈاکٹر ایمن؟''

''جی۔ یہ وارث غازی کی تصویر ہے۔ وہ میرا پیشنٹ تھا۔ تین ماہ تک وہ میرے پاس آتا رہا تھا۔''

''آپ جانتی ہے جج نے آپ کو ڈاکٹر پیشنٹ previlige توڑنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے آپ وارث غازی کے سیشنز کی نیچر سے عدالت کو مطلع کریں۔'')

اب دونوں بے سدھ ہوئے گارڈز دو جھاڑیوں میں اوندھے پڑے تھے۔ اور وہ کندھے پہ بیگ لٹکائے، واپس ہسپتال کی عمارت تک چلتا

جا رہا تھا۔ اب ایک ہاتھ میں چھوٹا کلہاڑا بھی نظر آ رہا تھا۔ دروازے کے سامنے وہ رکا' اور زور سے کلہاڑا تالے پہ مارا۔ تالہ ٹوٹا۔ اس نے جوگر سے دروازے کو ٹھوکر ماری۔ دروازہ اڑتا ہوا دوسری طرف جا لگا۔ وہ اندر داخل ہوا۔

(''وارث پریشان تھا۔ اور گلٹی بھی۔ اس نے بتایا' اور یہ سب میرے نوٹس میں بھی لکھا ہے جو میں نے عدالت کے حوالے کیے ہیں' کہ وہ اپنے بھائی فارس کی بیوی کو پسند کرتا تھا اور اس کے اس کے ساتھ تعلقات تھے۔'' کٹہرے میں کھڑی عورت سکون سے کہہ رہی تھی اور سامنے بیٹھا سفید کرتے والا غازی' اس کو انہی چبھتی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ آنکھوں میں سرخی آ رہی تھی اور مٹھی بھنچی ہوئی تھی۔ ''اس نے کہا کہ شروع میں لڑکی راضی نہیں تھی' سب زبردستی ہوا' مگر اب وہ بھی مکمل طور پہ انوالو ہو چکی تھی۔ وہ بہت گلٹی تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اس کے بھائی کو علم نہ ہو جائے۔'')

اس نے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا۔ بتیاں روشن ہونے لگیں۔ اندر سے ہسپتال ٹائلز کے فرش اور سفید دیواروں سے جگمگا رہا تھا۔ قیمتی فرنیچر، بہترین مشینری۔ بس دو مہینے بعد وہ افتتاح کے لیے تیار تھا۔ وہ بتیاں جلاتا' آگے بڑھتا گیا۔ آنکھوں میں سرد سی ٹھنڈ لئے.....وہ ایک ایک کمرے کو دیکھتا جا رہا تھا۔

(''اپنی موت سے دو دن قبل وہ میرے پاس آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کے بھائی کو اس کے افیئر کا علم ہو گیا ہے اور وہ اس سے چھپتا پھر رہا ہے۔ اسی لئے وہ گھر نہیں جا رہا۔ بلکہ ہاسٹل میں رہ رہا ہے۔ وہ تنہائی میں فارس سے ملنے سے گھبرانے لگا ہے۔'')

فارس قدم قدم چلتا آگے بڑھ رہا تھا۔ تین سال پہلے کے عدالتی کمرے کی ساری کارروائی اس کے چہرے پہ اترے سرد پن کے اندر کرب میں پنہاں تھی۔

(''جی ہاں' فارس غازی کے لئے بھی کورٹ نے مجھے اپوائنٹ کیا تھا۔ میں پچھلے آٹھ ماہ سے فارس کا علاج کر رہی ہوں۔ اپنے کلائنٹ کا پریویلج توڑتے ہوئے مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔ کانفیڈینشلیٹی کے پانچ C's میں سے ایک اگر Consent ہے تو وہ میرا مریض مجھے نہیں دے گا۔'' نظروں کا رخ فارس کی طرف موڑا۔ وہ انہی سرخ گلابی آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ ''دوسرا 'کورٹ آرڈر' ہے مگر میرے نزدیک اس سے زیادہ اہم Continued treatment ہے۔ اور فارس کے لئے یہ بہتر ہے کہ میں یہ سب کورٹ کو بتاؤں۔ آئی ایم سوری فارس!'')

وہ وسط کمرے میں آ کھڑا ہوا۔ بیگ کھولا' اور اندر سے کاغذوں کا ایک پلندہ نکالا۔ پہلے صفحے پہ چند الفاظ نظر آئے۔ سرکار بنام فارس غازی۔ پی ڈبلیو (پراسیکیوشن witness)، ڈاکٹر ایمن کی گواہی۔ وہ انہی سرد آنکھوں میں آنچ لئے اس پلندے کو دیکھ رہا تھا۔

(''ٹریٹمنٹ کے دوران فارس نے مجھے بتایا کہ اسے پہلے دن سے اپنی بیوی کی حرکتیں پسند نہیں تھیں۔ وہ امیچور اور بچگانہ سی تھی۔ مگر وہ اس کو چانس پہ چانس دینے لگا۔ یہاں تک کہ ایک دن اس نے اپنی بیوی کو اپنے بھائی کے ساتھ دیکھ لیا۔ اس کی غیرت کے لئے یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔ وہ دو دن سو نہیں سکا۔ کسی کو بتا نہیں سکا۔ وہ اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔''

''کیا آپ نے اس سے یہ اعتراف کروانے کے لئے کبھی کوئی ڈرگ استعمال کی؟''

''نہیں۔ میں نے کبھی اس کو کوئی سائیکو ایکٹو ڈرگ نہیں دی۔'')

اس نے بیگ سے ایک چھوٹی استری نکالی۔ کاغذوں کا پلندہ میز پہ رکھا اور استری کا لوہا کاغذوں کے اوپر لٹا دیا۔ پلگ لگا کر سوئچ آن کیا۔ پھر کلہاڑا اٹھایا۔

(''اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ ان دونوں کو قتل کر دے مگر وہ پکڑے نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس نے پوری کوشش کی کہ یہ آتش زدگی نہ لگے۔ فارس غازی نے 2 نومبر' اور اٹھائیس جنوری والے سیشن میں اعتراف کیا تھا کہ اس نے یہ دونوں قتل کیے ہیں' اور اسے ان پہ بہت افسوس ہے۔ آپ میرے نوٹس چیک کر سکتے ہیں۔ آڈیو ٹیپ کی اجازت اس نے مجھے نہیں دی تھی۔ اب میں یہ سب اس لئے کورٹ کو بتا رہی ہوں کیونکہ اگر آپ نے فارس کو ضمانت پہ رہا کیا تو وہ خود کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ مجھے اپنے پیشنٹ کی فکر ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ کسی اور جرم میں ملوث ہو کر چند دن بعد پھر جیل میں بند ہو۔ اس لئے ابھی کچھ ماہ تک اسے کسٹڈی میں رکھنا ضروری ہے۔'')

وہ دیوار تک آیا' چند لمحے اپنی سرد آنکھوں سے دیوار پہ لگے پائپ کو دیکھتا رہا' پھر پوری قوت سے کلہاڑا اس پہ مارا۔ پائپ چیر آ گیا۔ سس کی آواز سے گیس لیک ہونے لگی۔

فارس طہیر غازی نے اپنا بیگ کندھے پہ ڈالا اور زاہداری کی طرف چلتا گیا۔ استری تلے رکھے کاغذ درمیان سے ہلکے ہلکے بھورے ہونے لگے تھے۔ وہ دروازے سے باہر نکل آیا' اور اسے بند کر دیا۔ ایک نظر اٹھا کر اس دو منزلہ خوبصورت عمارت کو دیکھا۔

(''مجھے معلوم ہے تم مجھ سے خفا ہو گے۔'' سماعت ختم ہونے کے بعد وہ اس کی کرسی کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سرخ آنکھوں سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ مٹھی زور سے بھینچ رکھی تھی۔ ''مگر مجھے تمہاری فکر ہے' تم ٹھیک نہیں ہو۔ اگر باہر جاؤ گے تو خود کو نقصان دو گے۔'' فارس نے سرخ آنکھیں اٹھا کر سے دیکھا۔

''یہ مت سمجھنا کہ میں نے جھوٹ بولا ہے۔ تم نے یہ سب اس دن مجھے بتایا تھا' جب میں نے تمہیں ٹروتھ سیرم دیا تھا۔ تمہیں یاد نہیں ہو گا' مگر میں کورٹ میں یہ کہنے پہ مجبور تھی۔ مجھے نوٹس پہ نوٹس آ رہے تھے۔ پھر میں نے جو بھی کیا' تمہیں پروٹیکٹ کرنے کے لئے کیا۔'' اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر تھپکا۔ انگوٹھی کے اندر کچھ نوکیلا سا چبھا۔ ''تم ایک دن دوبارہ نارمل زندگی کی طرف لوٹ آؤ گے۔ چند سال کی ہی تو بات ہے!'' اب وہ جا رہی تھی۔ سفید کرتے والے شخص نے سرخ آنکھوں کا رخ موڑ کر اسے جاتے دیکھا۔

''مجھے اس دن کا انتظار ہے' ڈاکٹر!'' وہ بڑبڑایا تھا۔)

ہسپتال کی عمارت اسی طرح اندھیر کھڑی تھی اور فارس غازی اب اس سے دور چلتا آ رہا تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے' کندھے پہ بیگ اٹھائے' وہ مطمئن سے قدم اٹھا رہا تھا۔ پس منظر میں کھڑی تاریک عمارت دور ہوتی جا رہی تھی۔ پھر ایک دم... رات میں روشنی ہوئی۔ عمارت کے اندر دھماکہ سا ہوا' سنہری آگ کے شعلے کھڑکیوں سے باہر لپکنے لگے۔ دروازے جل رہے تھے۔ آگ کے ہاتھ انگلیاں

پھیلائے آسمان کی طرف بڑھ رہے تھے‘ چلا رہے تھے۔ اور وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلتا جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب وہ پھرتے ہیں اسی شہر میں تنہا لیے دل کو

اِک زمانے میں مزاج ان کا سرِ عرش بریں تھا

آسمان پہ سورج طلوع ہو رہا تھا۔ ہسپتال کی عمارت کوئلے کی طرح سیاہ پڑی تھی ڈھوئیں کے بادل ابھی تک اوپر اٹھ رہے تھے۔ اردگرد رش تھا۔ فائر بریگیڈ‘ رپورٹرز کے کیمرے۔ پولیس۔ ایک جگہ وہ دونوں گارڈز کھڑے ایک پولیس افسر سے بات کر رہے تھے۔ فاصلے پہ ایک پولیس موبائل کے ساتھ اے ایس پی سرمد شاہ کھڑا تحمل سے توقیر بخاری کو سن رہا تھا۔ جو پاگلوں کی طرح غرا رہے تھے۔

”تم لوگوں نے میری برسوں کی محنت برباد کر دی۔ اپنے بچوں کی طرح خیال کیا تھا اس عمارت کا میں نے۔“

”ڈاکٹر صاحب آرام سے‘ میں نے کہا نا ہم تفتیش کر رہے ہیں۔“

”خاک تفتیش کرو گے تم؟ کل تم نے مجھے فون پہ کہا تھا کہ اوپر والے کہہ رہے ہیں اگر پھر کوئی مطالبہ کیا تو جو ہے وہ بھی نہیں رہے گا‘ اور آج میرا ہسپتال جلا ڈالا گیا۔ اندھا ہوں میں؟ بچہ ہوں میں؟“ آستین سے کف رگڑتے‘ پسینے سے تر چہرے اور سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتے دبا دبا سا چلائے تھے۔ ”تم سب جھگتو گے۔ وہ.... نیاز بیگ کا بھائی اور تم.... تم سب ملے ہوئے ہو۔“

”میں بڑا لحاظ کر رہا ہوں آپ کا۔ محنت نہ محنت۔ یہ جگہ ہم نے آپ کو دی تھی۔ آدھی سے زیادہ مشینیں ہم نے آپ کو دی تھیں۔“ ناگواری سے ٹوکا۔

”میں نے اپنی ساری جمع پونجی کنسٹرکشن پہ لگائی‘ میرے اوپر قرضہ ہے‘ مجھے کنگال کر دیا تم لوگوں نے۔“ وہ بال نوچ رہے تھے۔ وہ واقعی بال نوچ رہے تھے۔

قدرے فاصلے پہ کار آ رکی اور تیزی سے دروازہ کھول کر ڈاکٹر ایمن باہر نکلی۔ ادھر ادھر دیکھتی قدم بڑھائے تو سامنے عمارت نظر آئی۔ وہ زنجیر پا ہوئی۔ برف ہوئی۔ نمک کا مجسمہ ہوئی! اس کی آنکھیں اس کوئلے کی سی ہوئی عمارت پہ جا ٹھہریں‘ لب ہلکے سے کھل گئے... اور دل... دل خالی ہو گیا۔ بے اختیار اس نے کار کے دروازے کا سہارا لیا۔

سب جل کر راکھ ہو گیا تھا۔

بنا پلک جھپکے‘ وہ اس عمارت کو دیکھے جا رہی تھی۔ اس کا رنگ پیلا زرد ہو رہا تھا‘ اور کانوں کے ہیرے ویسے ہی جگمگا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کوئی ٹھہرا ہو جو لوگوں کے مقابل تو بتاؤ

وہ کہاں ہیں کہ جنھیں ناز بہت اپنے تئیں تھا

اس شام ڈاکٹر ایمن بہت تھکی تھکی نڈھال سی اپنے لاؤنج میں اندھیرا کیے بیٹھی تھی۔گھر خالی تھا۔بچوں کو نانی کی طرف بھیج دیا تھا اور ڈاکٹر توقیر تھانے گئے ہوئے تھے۔وہ پیر اوپر کیے' یک ٹک بیٹھی خلا میں دیکھ رہی تھی۔پھر ایک کھٹکا سا ہوا۔وہ چونکی۔ٹھک ٹھک۔ مدھم سی بیٹ۔وہ سست روی سے اٹھی اور راہداری کی طرف آئی۔اندھیر گھر میں ادھر ادھر چلتی اپنی اسٹڈی کے دہانے پہ آرکی۔دروازہ دھکیلا۔اندر گھپ اندھیرا تھا۔صرف کھڑکی سے نیلگوں روشنی آتی تھی۔وہ جانے لگی'تبھی یک دم رکی۔

میز کے پیچھے'کنٹرول چیئر پہ کوئی بیٹھا تھا۔اس کا سارا وجود اندھیرے میں تھا۔صرف ایک ہاتھ نظر آرہا تھا جس سے وہ میز پہ ایک پین کو "ٹھک ٹھک" بجا رہا تھا۔

"پنجاب پرزن کے چار سی ہوتے ہیں۔کنٹرول' کسٹڈی' کیئر اور کریکشن۔" تاریکی میں بھی وہ اس کی آواز سن سکتی تھی۔وہ بت بن گئی۔ ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

"کانفیڈینشیلٹی کے پانچ سی ہوتے ہیں'جن کے تحت پریولج توڑا جا سکتا ہے۔آپ کو یہ نو کے نو C یاد رہے۔مگر مجھے صرف ایک C کا علم ہے۔"

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے آئی۔پلکیں جھپک کر اندھیرے میں آنکھوں کو عادی کیا تو منظر واضح ہوا۔

"اور وہ C ہے۔کاربن۔" وہ آگے ہوا۔نیلی روشنی میں فارس کا چہرہ واضح ہوا۔اس پہ سرد سی مسکراہٹ تھی۔اور آنکھوں میں تپش تھی۔وہ آگ اور برف ایک ساتھ دیکھ رہی تھی۔

"وہ کاربن نہیں جو آپ کے کانوں میں ہیں۔" انگلی سے ڈاکٹر ایمن کے کانوں کی طرف اشارہ کیا جن میں جگمگاتے ہوئے دنیا کے سخت ترین کاربن تھے۔"بلکہ ایک ہائیڈرو کاربن۔وہی جو آپ کو بھول گیا تھا۔CH4"

ڈاکٹر ایمن کا سانس حلق میں اٹک گیا۔"میتھین؟نیچرل گیس۔" وہ شل رہ گئی۔"تم نے....تم نے آگ لگائی ہے میرے ہسپتال میں۔ ہے نا؟تم نے کیا نا یہ سب؟" اس کا سارا خون سمٹ کر چہرے میں آیا...وہ ایک دم آگے آئی۔

"کیوں کیا تم نے ایسا؟وہ میرے برسوں کی محنت تھی۔وہ میری پوری زندگی تھا۔" وہ دبا دبا سا چلائی تھی۔"ہمارے اوپر قرضہ ہے۔اسے کیسے اتاروں گی میں؟میں تباہ ہو گئی ہوں فارس غازی!"

"گڈ!" اس نے سر کو خم دیا۔ایمن کی آنکھوں سے شرارے پھوٹنے لگے۔

"تم...تم نے مجھ سے بدلہ لیا نا۔پریولج توڑنے کا۔پرجری کا۔ہاں بولا تھا میں نے جھوٹ۔اور اب تم دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں۔" میز پہ دونوں ہاتھ رکھے'جھکی کھڑی وہ زخمی ناگن کی طرح پھنکار رہی تھی۔"میں ابھی کے ابھی پولیس بلا رہی ہوں۔توقیر اے ایس پی میں سب کو بتاؤں گی کہ تم نے کیا ہے یہ سب۔کاؤنٹ آف مونٹے کرسٹو واپس آگیا ہے اور وہ ایک ایک سے بدلہ لے رہا ہے۔اور میں..." اس کا سانس بکھر رہا تھا۔"میں میڈیا پہ بھی سب بتاؤں گی۔تمہاری بیوی اور تمہارے بھائی کے افیئر کی ایک ایک تفصیل بتاؤں گی۔"

''نہیں، آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی۔'' آواز پہ وہ چونکی۔ کھڑکی کے پردے کے ساتھ کھڑی لڑکی آگے چلتی آئی اور فارس کی کرسی کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ وہ ایک انگلی سے مسلسل اپنی گھنگریالی لٹ لپیٹ رہی تھی اور اس کا چہرہ نیلی چاندنی میں دمک رہا تھا۔

ڈاکٹر ایمن ہاتھ ہٹا کر سیدھی ہوئی۔ شرر بار نظروں سے باری باری دونوں کو دیکھا۔ فارس اب پیچھے کو ٹیک لگائے بیٹھا مسلسل پین سے میز کی سطح پہ ٹھک ٹھک کر رہا تھا۔

''یہ تم دونوں کی بھول ہے کہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔''

فارس نے قلم رکھا اور میز پہ پڑا فوٹو فریم اٹھا کر سامنے کیا جس میں ایمن توقیر اور ان کے تین بچے مسکرا رہے تھے۔ ''آپ کا بڑا بیٹا بہت پیارا ہے' ڈاکٹر!''

ڈاکٹر ایمن نے استہزائیہ ''اوہ'' کر کے سینے پہ بازو لپیٹے۔ ''اچھا تو تم میرے بیٹے کو مارنے کی دھمکی دے رہے ہو؟ ہونہہ۔ تم یہ نہیں کر سکتے۔ You Don't have it in you۔ تم قاتل ہو نہ ہو سکتے ہو۔'' اس بات پہ زمر نے چند لمحے کے لئے فارس کو دیکھا' پھر چہرہ ڈاکٹر کی طرف موڑا۔

''کوئی کسی کو قتل کرنے نہیں جا رہا ڈاکٹر ایمن۔'' سکون سے بولی۔ ''مگر مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے ڈرائینگ روم میں دو سرویلنس کیمرے لگے ہیں۔''

ڈاکٹر ایمن نے بے یقینی بھرے غصے سے انہیں دیکھا۔ ''تم لوگوں نے میرے گھر میں کیمرے لگائے ہیں؟ اچھا تو کیا ریکارڈ کیا تم نے؟ اے ایس پی اور ہماری باتیں؟ ہونہہ۔ ہم ایسی ملاقاتیں گھر پہ نہیں کرتے۔''

''ہم یہی ریکارڈ کرنا چاہتے تھے لیکن ہم نے کچھ زیادہ دلچسپ ریکارڈ کیا ہے۔'' کہتے ہوئے زمر نے اپنے اسمارٹ فون کی اسکرین روشن کی۔ نیم اندھیر کمرے میں روشنی چمکی۔ اسکرین اس کے سامنے لائی۔ ایمن کی آنکھیں اس پہ جھکیں۔

''یہ آپ کی اور آپ کے بہنوئی کی ایک گفتگو ہے۔'' اس نے پلے نہیں کیا' صرف اسٹل امیج نظر آ رہا تھا مگر ڈاکٹر ایمن کا چہرہ ایک دم سفید پڑنے لگا۔ اس نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔ کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھا۔

''جیسا کہ میرے ہزبینڈ نے کہا' آپ کا بڑا بیٹا بہت پیارا ہے' مگر وہ صرف آپ کا بیٹا ہے۔ ڈاکٹر توقیر کا نہیں۔'' اسکرین سامنے لہرائی۔ ''اس کا باپ آپ کی بہن کا شوہر ہے۔ اوہ۔ ڈاکٹر توقیر کو تو علم نہیں ہے نا اس بات کا؟''

ڈاکٹر ایمن کرسی کی پشت پکڑے پکڑے جھکی۔ چند گہرے سانس لئے۔ پھر سامنے بیٹھی۔ اس کا چہرہ وہ نہیں تھا جس کے ساتھ وہ اندر داخل ہوئی تھی۔

فارس دونوں ہاتھ باہم ملائے' میز پہ آگے کو ہوا۔ اس کی نیم مردہ آنکھوں میں دیکھا۔ ''اللہ کا ایک اصول ہے' کہ جب کوئی کسی پہ ایسا الزام لگاتا ہے جو اس نے نہ کیا ہو یا ترک کر چکا ہو تو مرنے سے پہلے وہ خود اس میں ضرور ملوث ہو جاتا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں جھانکتے فارس کی

نظروں میں تپش ابھری۔ ''تم نے میری بیوی پھری کچہری میں الزام لگایا' تم نے میرے بھائی پہ الزام لگایا۔''

چند لمحے تک ایمن کچھ بول نہ پائی۔ آنکھوں میں آنسو گئے۔ ''کیا تم یہ سب بھول نہیں سکتے تھے؟ رہا ہو گئے' شادی کر لی' سیٹل ہو گئے۔ کیا تم...تم معاف نہیں کر سکتے تھے؟''

''تم لوگوں نے معافی مانگی کب تھی؟ تم لوگوں نے میرے بھانجے کے ساتھ بھی وہی کیا جو میرے ساتھ کیا۔ لیکن اب کم از کم تم ایک لمبے عرصے تک کسی کے ساتھ دوبارہ یہ نہیں کر سکو گی۔'' دوبارہ ٹیک لگائی۔ آنکھیں سکیڑ کر اسے اسی تپش سے دیکھا۔

''اور اب...محترمہ آپ وہی کریں گی جو ہم آپ کو بتائیں گے۔''

''جی ڈاکٹر ایمن' اور ہم میں اور آپ میں یہی فرق ہے۔'' وہ بھی خشک سا کہہ رہی تھی۔ ''ہم چاہیں تو آپ کے شوہر کو بتا دیں۔ آپ کا میکہ بھی چھوٹے گا' سسرال بھی۔ شوہر اور دو بچے تو جائیں گے ہی۔ مگر ہم ایسا نہیں کریں گے۔ آپ کی ذاتی زندگی خراب نہیں کریں گے۔ تب تک جب تک آپ ہمارے کہے پہ عمل کرتی رہیں گی۔''

اس کے آنسو بہہ رہے تھے' اور وہ بے بسی سے انگلیاں مروڑتی زمر کو سن رہی تھی۔

''آپ ہر ایک کو یقین دلائیں گی کہ اس واقعے میں علیم بیگ کا ہاتھ ہے' یہ بھی بتائیں گی کہ وہ آپ کو فون پہ دھمکیاں دیتا رہا ہے۔ آگے آپ کو پتہ ہے آپ کو کیا کرنا ہے۔'' ڈاکٹر ایمن نے بھیگے چہرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

''اور اب!'' وہ اسی سنجیدگی سے بولا۔ ''اب آپ بتائیے' سعدی یوسف کے بارے میں۔ ہر وہ چیز جو اس رات ہوئی۔ زیادہ پس و پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے' آپ دیکھ چکی ہیں میں کیا کر سکتا ہوں۔''

چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔ پھر اس نے چہرہ اٹھایا۔ وہ آنسوؤں سے تر تھا۔

''وعدہ کرو تم کبھی توقیر کو نہیں بتاؤ گے' میرے اور کامران کے درمیان اب کچھ نہیں ہے' وہ ایک پرانی بات تھی۔ توقیر کو سنی سے بہت محبت ہے' پلیز تم...''

''ڈاکٹر ایمن اگر آپ کے منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ میرے جواب کے علاوہ ہوئے تو میں اسی وقت یہ ویڈیو ڈاکٹر توقیر کو فارورڈ کر دوں گا۔''

''اوکے اوکے!'' اس نے ہتھیلی سے آنسو رگڑتے ہاتھ اٹھائے۔ ''اس رات توقیر کو اے ایس پی کا فون آیا' اس نے کہا کہ ایک لڑکا غائب کرنا ہے جب اس کی حالت خطرے سے باہر...''

''یہ سب مجھے پتہ ہے۔ یہ بتائیں' اے ایس پی کے علاوہ کون شامل تھا اس میں؟''

وہ لمحے بھر کو خاموش رہی۔ ''ہمارا رابطہ صرف اے ایس پی سے تھا' مگر...اے ایس پی اسی شخص سے ہدایات لیتا تھا جس سے تمہارے کیس میں لیتا آیا تھا۔'' رک کر اس کو دیکھا۔ ''تمہارا جج' جسٹس سکندر۔''

''مجھے پتہ ہے جج بکا ہوا تھا اور...''

''تمہیں غلط پتہ ہے۔ جج بکا ہوا نہیں تھا۔ جج خریدار تھا۔''

زمر اور فارس نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

''وہ جج ہمارے یا نیاز بیگ کی طرح ایک مہرہ نہیں تھا۔ وہ اسی جرم میں برابر کا حصے دار تھا جس کو چھپانے کے لئے یہ سب ہوا تھا۔ اس سے آگے میں کچھ نہیں جانتی۔ پلیز اب یہاں سے جاؤ'' کرب سے کہتے اس نے منہ پھیر لیا۔

وہ اٹھا اور گھوم کر دروازے کی طرف جانے لگا۔ زمر بھی پیچھے گئی' تب ایمن بولی۔

''آئی ایم سوری' جو میں نے کیا تمہارے ساتھ۔'' فارس نے مڑ کر ایک نظر اس پہ ڈالی۔

''نہیں' آپ کو قطعاً کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ دس منٹ پہلے تک آپ وہ سب دوہرانا چاہتی تھیں۔''

اس نے گردن موڑ کر بھیگے چہرے سے فارس کو دیکھا۔ ''تب میں غصے میں تھی۔''

''اور اب آپ صرف خوفزدہ ہیں۔'' مدھم مگر مضبوط آواز میں بولا۔ ''کم از کم چار سال لگیں گے آپ کو اپنا قرضہ اتارنے اور دوبارہ اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کے لئے۔ اور آپ جانیں گی کہ ہر پل اپنی زندگی تباہ ہو جانے کا خوف کیا ہوتا ہے' خوف کی قید کیسی ہوتی ہے' وہ فیلنگ کیسی ہوتی ہے جب آپ اپنی صفائی بھی نہ دے سکیں' جب آپ اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگیں۔ مگر ڈونٹ وری ڈاکٹر' آپ ایک دن نارمل ہو جائیں گی۔ چند سال کی ہی تو بات ہے۔'' ہلکا سا ڈاکٹر ایمن کا کندھا تھپکا اور اور تیز قدموں سے باہر نکل آیا۔

اِک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو

میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا

وہ ریسٹورانٹ کے سامنے کار میں بیٹھے تھے اور دونوں کے درمیان خاموشی چھائی تھی۔ زمر تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس نے دو دن لگا تار تمام فیڈز دیکھی تھیں' اور قسمت سے اس کو مطلوبہ شے مل گئی تھی۔ مگر اب تھک چکی تھی۔ کچھ ذہن بھی الجھا تھا۔ فارس کے فقرے ذہن میں گونج رہے تھے۔ (گناہگار لوگ اپنی بے گناہی پہ ایسے پراعتماد تو نہیں ہوتے.... اف زمر' بس کر دو' اس کے حق میں کوئی صفائی نہیں۔)

کراہ کر اسے دیکھا تو وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ہلکا سا مسکرایا۔

''گڈ ایوننگ مسز زمر! میرا نام فارس طہیر غازی ہے۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔''

اور وہ تھکی تھکی سی ہلکا سا مسکرائی۔ ''مجھے بھی۔'' پھر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

''میں نے جھوٹ بولا تھا۔ آئی ایم سوری۔'' باہر دیکھتے ہوئے وہ بولی تو وہ چونکا۔

''تمہارے لئے نہیں بتا رہی' اس لئے بتا رہی ہوں کیونکہ میں نے غلط کیا۔ تمہاری بیوی نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ آخری وقت تک تمہارے لئے پوزیسو تھی۔'' کچھ دیر باہر دیکھتی رہی' جواب نہیں آیا تو آنکھوں کا رخ اس کی طرف پھیرا۔

اس نے جیسے گہرا سانس لیا تھا۔ پھر سر جھٹکا۔ کم از کم زمر سے اب وہ اس موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ''کچھ کھائیں گی؟''

''ہوں!'' گردن ہلا دی اور سر سیٹ سے ٹکا دیا۔ آنکھیں بند کر دیں۔ وہ اندر چلا گیا۔

باہر پھولوں کے اسٹال پہ ڈوبتی شام کے اندھیرے میں بیٹھا گل خان چھڑی سے فٹ پاتھ پہ لکیریں کھینچ رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے فارس کو باہر جاتے دیکھا اس کی آنکھیں چمکیں۔ دوڑ کر زمر کی کھڑکی تک آیا۔ وہ آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔ اس نے شیشہ بجایا۔ زمر چونک کر سیدھی ہوئی۔ پھر شیشہ نیچے کیا۔

''زمر باجی۔'' وہ چہکا۔ ''ہم کو تمہیں کچھ دینا تھا۔'' بے چینی سے دیکھا اندر فارس کاؤنٹر پہ کھڑا نظر آ رہا تھا۔ پھر جیب سے سیاہ ہیرے والا کی چین نکال کر دونوں ہاتھوں سے اس کی طرف بڑھایا۔ زمر کی آنکھوں میں تحیر ابھرا۔

''یہ تمہیں کہاں سے....''

''بعد میں بتائے گا' جب یہ تمہارا بندہ نہیں ہوگا سامنے۔ کل رات سعدی بھائی کو خواب میں دیکھا۔ بھائی بہت خفا تھا ام سے۔'' وہ واپس آتا نظر آ رہا تھا' گل خان کا منہ کڑوا ہوا اور وہ پلٹ گیا۔ زمر نے بے اختیار شکریہ پکارا۔ پھر کی چین کو دیکھا۔ اس میں ایک سلور پین بھی ننھی تھا۔ اس نے پین کھولا۔ اندر یو ایس بی پلگ تھا۔ فارس قریب آ رہا تھا اس نے جلدی سے اسے پرس میں رکھ دیا۔

جب وہ گھر آئی اور کھانے کے شاپر زصداقت کو پکڑائے تو حنین اور سیم لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ سیم فوراً اٹھا۔ ''پھپھو' حنہ کہہ رہی ہے میری برتھ ڈے سیلیبریٹ کریں گے ہم۔'' وہ مسکرا دی۔ اس کا گال تھپتھپایا۔

''حنہ نے مجھے بتایا تھا۔'' پھر حنین کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر پیچھے آئی۔ زمر نے اوپر کمرے میں آ کر پرس سے کی چین نکالا اور اپنے دراز میں رکھ دیا۔ پھر دروازے میں کھڑی حنہ تک گئی۔

''کیا ہاشم کا کوئی ٹیکسٹ آیا؟''

حنین نے اداسی سے نفی میں سر ہلایا۔

''او کے' اب سیم کی برتھ ڈے کے لئے انوائٹ کرنے ہم دونوں اس کے پاس جائیں گے' اور جیسا ہم نے ڈیسائڈ کیا تھا' وہی کریں گے۔''

''آپ تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔''

''کوئی بات نہیں۔ چلو۔'' بال جوڑے میں لپیٹتے ہوئے وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ فارس نے دیکھا تو پوچھا۔ ''کدھر؟ صداقت کھانا لگا رہا ہے۔''

''بس پانچ منٹ میں آتے ہیں۔ مسز کاردار سے کام تھا۔ حنہ میرے ساتھ آؤ۔'' اور حنین سر جھکائے' نظر ملائے بغیر اس کے ساتھ باہر آ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ ہاشم کے سامنے اس کے لان میں بیٹھی تھیں۔ ہاشم نے اپنی بیماری کا بتایا البتہ اب وہ فریش لگ رہا تھا۔

''سوری ہاشم ہمیں نہیں معلوم ہو سکا کہ آپ بیمار تھے۔'' زمر نے کہہ کر حنہ کو دیکھا۔ تو وہ بظاہر مسکرا کر بولی۔ ''تبھی آپ نے اتنے دن سے

مجھے ٹیکسٹ نہیں کیا' ہاشم بھائی۔''

اور وہ جو مسکرا کر کچھ کہنے جا رہا تھا' چونکا۔ زمر کو دیکھا اور پھر حنہ کو۔

''ہاں' میں بس آرام کرتا رہا۔'' البتہ وہ قدرے غیر آرام دہ ہوا تھا۔ اسے ہمیشہ لگتا تھا کہ یہ ایک چھپی ہوئی چیٹ ہے' مگر زمر واقف تھی؟ منظر نامہ بدلنے لگا تھا۔

''اسی لئے میں نے حنہ سے کہا کہ ان کی خیریت پوچھتے ہیں' ورنہ تمہیں یا سعدی کو وہ جواب نہ دیں' یہ ناممکن ہے۔'' وہ مسکرائی۔ ہاشم جبراً مسکرایا۔

''اچھا ہاشم بھائی' پھر آپ کل آ رہے ہیں نا سیم کی سالگرہ پہ؟'' حنین کے دل میں اذیت ہی اذیت تھی مگر وہ زمر کی ہدایت پہ عمل کرنے پہ مجبور تھی۔ (ہمیں اس کو یقین دلانا ہے کہ یہ کوئی چھپا ہوا افیر نہیں ہے، بلکہ سب اس سے واقف ہیں، تا کہ وہ کبھی زندگی میں تمہیں یا فارس کو بلیک میل نہ کر سکے، حنہ!)

''کل میرا ایک ڈنر ہے' مجھے وہ کینسل کرنا پڑے گا.....''

''تو بس آپ ڈنر کینسل کریں۔'' زمر رسان سے بولی۔ وہ دونوں بہت اپنائیت سے اصرار کر رہی تھیں۔ منظر نامہ واقعی بدل رہا تھا۔ (حنین نے زمر کو بتا رکھا ہے؟ تو فارس؟ او ہ پلیز نہیں!)

''او کے!'' اسے پورا منظر نامہ جاننا تھا۔ سو مسکرایا۔ ''میں کرتا ہوں۔'' کال ملا کر موبائل کان سے لگایا۔

''کل کے ڈنر کی ریزرویشن کروا دی ہے؟ چلو یہ اچھا ہو گیا۔ ہاں اسے پرسوں پہ رکھ دو۔ کل میری فیملی میں ایک ڈنر ہے۔ او کے تھینک یو' حلیمہ!'' موبائل رکھ کر مسکرا کر انہیں دیکھا۔ ''چلیں شکر ہے' حلیمہ نے ابھی انویٹیشن کال نہیں کی تھی۔'' وہ بالکل بے خبر کہے جا رہا تھا۔

اور سامنے بیٹھی حنین کی ٹانگوں سے جان نکلنے لگی۔ زمر کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ وہ دونوں یک ٹک ہاشم کو دیکھ رہی تھیں۔ پھر زمر ذرا سنبھل کر مسکرائی۔

''یہ کون تھی؟ آپ کی کسی ڈیٹ کو تو ہم نے خراب نہیں کر دیا؟''

''ارے نہیں' یہ حلیمہ تھی' میری سیکرٹری۔'' ہنس کر سر جھٹکا۔

اور اگر پیچھے مڑ کر دیکھو اور سوچو کہ وہ کون سا لمحہ تھا' وہ ایک لمحہ جس نے انصاف اور انتقام کی وہ جنگ شروع کی تھی' جس نے ان سب کی زندگیاں بدل دی تھیں تو وہ یہی لمحہ تھا جب ہاشم نے کہا تھا۔ ''یہ حلیمہ تھی، میری سیکرٹری!''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ اِنشاءاللہ)